رفاقت ۔ دوستی، صحبت، ساتھ دینا

خوش حال گھرانہ ۔ اچھے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھنا

باعث ۔ وجہ

وساطت ۔ ذریعہ ہونا، کسی کے ذریعے سے، کسی واسطے سے

ناظم تعلیمات ۔ ڈائرکٹر ایجوکیشن

علیل ۔ بیمار ہونا

پیروی مغربی ۔ مغربی تہذیب کی نقل کرنا

رغبت ۔ دلچسپی رکھنا

سائنسی علوم ۔ علم سائنس کی جانکاری رکھنا

مقلد ۔ تقلید کرنے والا، نقل کرنے والا

پیروکار ۔ کسی کی بات ماننے والا، کسی کی باتوں کو اپنی زندگی میں اتارنا

آپ نے پڑھا

- سطور بالا میں عبدالغفور شہباز کا مکتوب آپ نے پڑھا۔ جسے انہوں نے اپنی بیٹی صغریٰ کو لکھا اور دریافت کیا ہے کہ ان کی والدہ یعنی خود ان کی بیگم انہیں خط کیوں نہیں لکھتیں؟ اور یہ کہ وہ خود اپنا سبق یاد کر رہی ہے کہ نہیں؟ اپنی دونوں بیٹیوں کے لئے وہ دعا کرتے ہیں کہ وہ پڑھ کر بہتر سے بہتر زندگی کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیوں کہ اگر وہ اولاد کا حق ادا کر لیتی ہے تو وہ ضرور انعام پائے گی۔ وہ محرم کی چھٹیوں میں ضرور ان کے پاس آئیں گے۔ اب اگر اس وقت وہ سبق صحیح طور پر ادا نہ کر سکیں تو مشکل ہوگی اور انعام بھی جاتا رہے گا۔ کیوں کہ شوق اور محنت کے ذریعہ ہی انسان بلندیوں کو پہنچ سکتا ہے۔ خود وہ کسی زخم سے پریشان رہے ہیں مگر فی الوقت آرام ہے۔ خط اس لئے بھی بہت صاف صاف لکھا ہے کہ ان کی بیٹی اسے شوق سے اور جلد سے جلد پڑھ ڈالے اور اس میں اس کو کسی کی مدد نہ لینی پڑے۔

مختصر ترین سوالات

1. شہباز کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

2. شہباز کی کتنی شادیاں ہوئیں اور ان کی بیویوں کے نام کیا ہیں؟
3. شہباز کی دو کتابوں کے نام بتایئے۔
4. شہباز نے شاعری میں کن شعرا کی تقلید کی ہے؟
5. شہباز نے شاملِ نصاب مکتوب میں جس بچی کو مخاطب کیا ہے اس کا نام لکھیے۔

مختصر سوالات

1. شہباز کی تصنیفات پر روشنی ڈالیے۔
2. شہباز کے بارے میں پانچ جملے لکھیے۔
3. مکتوب نگاری کی مختصر تعریف لکھیے۔
4. شاملِ نصاب خط کیا شہباز کا ذاتی خط ہے؟ اس پر روشنی ڈالیے۔
5. شہباز نے اپنی بیٹی کو جس بات کی تلقین کی ہے، اسے اجاگر کیجیے۔

طویل سوالات

1. اردو میں مکتوب نگاری کی ابتدا و ارتقاء پر روشنی ڈالیے۔
2. شہباز کی شخصیت پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔
3. شاملِ نصاب مکتوب شہباز کا خلاصہ پیش کیجیے۔
4. مندرجہ ذیل الفاظ سے جمع بنایئے۔

حق، فن، قبر، منزل، دلیل، ولی، امت

آیئے، کچھ کریں

1. خطوط نگاری کے روبہ زوال رجحان پر ایک مذاکرہ کیجیے۔
2. اپنے استاد کی مدد سے اردو مکتوب نگاروں کی فہرست تیار کیجیے۔

مہدی افادی

مہدی افادی کا اصل نام مہدی حسن ہے۔ ان کی پیدائش 1828ء میں گورکھپور میں ہوئی۔ ان کا تعلق معزز شیوخ گھرانہ سے تھا۔ ان کے والد انتہائی مذہبی آدمی تھے۔ البتہ پیشے کے اعتبار سے کورٹ انسپکٹر پولس تھے۔ ان کا نیک اور ہر دل عزیز رؤسائے شہر میں شمار ہوتا تھا۔

ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ انگریزی اور فارسی میں مہارت حاصل کی۔ مہدی افادی کی تین شادیاں ہوئیں۔ تیسری بیگم عظیم النساء تھیں جو بیگم مہدی کے نام سے معروف تھیں۔

مہدی افادی کے مضامین روشن خیالی کا تصور فراہم کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان میں جذبات اور احساسات کی کیفیات بھی بے پناہ ہیں۔ ان کے مضامین میں دلکشی بہت زیادہ ہے۔ مہدی نے حالی کے تخلیقی ذہن کی بڑی داد دی ہے لیکن اس کے باوجود اس خیال کو تجلک ہونے سے بچایا ہے۔ مہدی کی نظر حسن وعشق کے معاملات پر رہی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایک مضمون بعنوان 'فلسفۂ حسن وعشق: یونانیوں کے نقطۂ نظر سے' مرتب کیا ہے۔

مہدی افادی کے تصورات تضادات کے شکار معلوم ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو رومانی تحریک کا اثر ان کے ذہن پر پڑا تو دوسری طرف بوجوہ اس سے اختلاف کی نوعیت بھی ابھرتی رہی۔ لیکن یہ درست ہے کہ انہوں نے خود محسوس کیا تھا کہ آج کی نسل کا ذہن 'تہذیب الاخلاق' کا پیدا کردہ ہے۔ تحریک کا اثر خود ان کی شخصیت کی تعمیر کا ایک حصہ ہے۔ چونکہ جذباتی احساسات ان کے دل کو مسلسل متاثر کرتے رہے تھے، اس لئے تعقل پسندی کہیں کہیں رد ہوتی نظر آتی ہے۔ یہ تضاد دراصل دل اور دماغ کی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ مہدی افادی اپنی بوقلمونی طبع کے سبب آج بھی پڑھے جاتے ہیں۔

ھولوی سید مقبول احمد صمدانی کے نام

پیارے مقبول!

آپ کے خوش سواد نکتہ خیز اور لطیف عنایت نامہ کی اگر داد دیتا ہوں تو اس لحاظ سے کہ آپ نے نقاد کے 'صحافی' کو سراہا ہے۔ ہم دونوں 'حاجی' ہوئے جاتے ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ آپ کے دائرہ نظر میں ہونا وہ بھی ادبی حیثیت سے میری کاوشوں کا، اگر وہ دراصل لائق اعتراف ہوں، ایک ایسا قیمتی صلہ ہے، جس سے دنیا کا بڑے سے بڑا مصنف بھی مستغنی نہیں ہوسکتا۔ میں تو صرف حاشیہ نشینوں میں ہوں۔ بھئی 'یادایام' سے آپ نے میرے دل پر چوٹ لگائی۔ اب وہ پہلا سا جوبن کہاں، وہ کساؤ اور رکھ رکھاؤ کہاں؟

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
ہوگئے خاک انتہا یہ ہے

پچھلی تصویر کا ایک خاکہ رہ گیا ہے جسے مشکل سے پہچانئے گا۔ دور سے بیٹھے قصے سنا کیجئے اور یہ بات ہے! بڑھاپے میں بھی پرستاروں کی کمی نہیں! اس سے خوش ہوا۔ کیسا فرق مرتبت، یہ تو بننے والوں کی گڑھی ہوئی اصطلاح ہے۔ اصیل مرغ کی ایک ٹانگ! مجھے میرے چاہنے والے ویسا ہی پائیں گے، جیسا پچھلی صدی میں تھا۔ کچھ خبر بھی ہے؟ حسن و عشق کی فتنہ گری جس نے کی تھی وہ سایہ کی طرح ساتھ ہے اور 'فتوحات' کا سلسلہ ہے کہ قائم ہے۔ آپ کو پوچھنی ہے کہ کون بزرگ ہیں۔ کیا بتاؤں بڑھی ہوئی داڑھی کے ساتھ پیشی کے لائق نہیں رہے۔ اچھا میرے پرستان تک کب آئیے گا۔ آپ کی توفیق تو دیکھ لی۔ لیکن مجھے 19 کے بعد اور بڑے دن سے پہلے ضرور بلائیے کہ ضابطہ کا سلام تو ہو جائے۔ بڑے صاحب کی زیارت کے بعد ذرا آپ کو تفصیل سے دیکھ لوں گا۔

مہدی

لفظ و معنی

خوش سواد - مزے دار، دلچسپ

نکتہ خیز - نکتہ پیدا کرنے والا

لطیف - نازک، سبک

عنایت نامہ - خط، مکتوب، یاد آوری کرنا

نقاد - تنقید کرنے والا

صحافی - جو تہذیب و ثقافت پر نظر رکھتا ہو

حاجی - جو حج کر چکا ہے

دائرہ نظر - نظر میں رکھنا

کاوشوں - کوششوں

لائق اعتراف - اعتراف کے قابل

یاد ایام - گزرے دنوں کی یاد

مستغنی - بے نیاز ہونا، کسی سے کوئی مطلب نہ ہونا

جوبن - جوانی

ابتدائے عشق - شروعاتی دنوں کا عشق

خاکہ - عکس، تصویر

پرستار - چاہنے والا، شیدا

مرتبت - درجہ، مرتبہ، اعلیٰ مرتبہ رکھنے والا

گڑھا ہوا - بنایا ہوا، وضع کیا گیا

اصطلاح - مخصوص معنی کے لئے بنایا گیا لفظ

اصیل مرغ کی
ایک ٹانگ - کسی بات پر سختی سے قائم رہنا، ضد کرنا

فتنہ گری - فساد پیدا کرنے والا، معشوق، چاہنے والا

فتوحات - فتح کی جمع، جیت

پیشی - حاضری، سامنے لانا

پرستان - جہاں پریوں کا قیام ہو، اپنے دولت کدہ سے مراد، پریوں کے رہنے کی جگہ

زیارت - کسی متبرک مقام یا کسی بزرگ کو دیکھنا

آپ نے پڑھا

- مہدی افادی نے اپنے دوست مولوی سید مقبول احمد صمدانی کے نام لکھے اس خط میں ان کے ذریعہ سراہے گئے اقدامات کی تعریف کی ہے۔ اس خط میں انہوں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ عمر کے اس مرحلے پر جبکہ دونوں حاجی ہوئے جاتے ہیں، چھ باتیں جو دائرہ لائق اعتراف میں ہوں، ان کی ستائش ضروری ہے۔ کیوں کہ حاشیہ نشیں خود کو سمجھ رہے ہیں اور دیرینہ یادوں سے دل کو تکلیف پہنچتی ہے کیوں کہ بہرحال عمر ایک بہت بڑی وجہ ہوتی ہے اور انسان اپنی تیزی اور طرّاری بھول جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ابتدائی دنوں میں جوش و ولولہ اس قدر تھا کہ آگ ہی آگ بھری لگتی تھی۔ انسان کی ایک عمر ہوتی ہے جب وہ کافی چاق و چوبند ہوتا ہے۔ مگر کچھ تو حالات کے تقاضے اور کچھ گزرے ہوئے وقت کے ساتھ، اس کے جسم کی کساوٹ اور اس کی تیزی سے گرتی ہوئی حالت میں ہوتی ہے۔ حالانکہ بڑھاپے میں بھی پرستاروں کی کمی نہیں ہوتی اور پذیرائی کے عوض وہ خود کو اسی طرح پیش بھی کرتے ہیں۔ اپنی شریک سفر کے بارے میں کہتے ہیں کہ جنہوں نے انہیں دام الفت میں گرفتار کیا تھا وہ آج بھی سایہ کی طرح ساتھ ہیں اور اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑے ہوئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اپنے دوستوں سے انسان اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتا ہے اور ڈھکی چھپی باتیں بھی بتاتا ہے۔ اپنے خط میں ملاقات کی طرف نشاندہی کی گئی ہے کہ اس کے لئے خاص فرصت نکالی جائے اور باضابطہ سلام دعا ہو جائے۔

مختصر ترین سوالات

1. مہدی افادی کب اور کہاں پیدا ہوئے؟
2. مہدی افادی نے کتنی شادیاں کی تھیں؟
3. مہدی افادی کو اردو کے علاوہ کن کن زبانوں میں مہارت حاصل تھی؟

4. مہدی افادی کی بیگم کا نام کیا تھا اور وہ کس نام سے مشہور تھیں۔
5. مہدی افادی کا اصل نام کیا ہے؟

مختصر سوالات

1. مکتوب کی تعریف کیجئے۔
2. مہدی افادی کے بارے میں پانچ جملے لکھئے۔
3. مہدی افادی نے اپنے خط میں کس کو مخاطب کیا ہے اور وہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟
4. درج ذیل محاوروں کے معنی لکھئے۔

زیروزبر ہونا، آنکھ دکھانا، ہتھیلی پر سرسوں جمانا

5. درج ذیل الفاظ کے اضداد بنائیے:

جسم، دنیا، حق، غربت، نشیب، حسن، ایمان

طویل سوالات

1. مکتوب نگاری کے آغاز وارتقاء پر روشنی ڈالئے۔
2. مہدی افادی کی مکتوب نگاری کا فنی جائزہ لیجئے۔
3. غالب اور مہدی افادی کے خطوط کے فرق کو واضح کیجئے۔
4. مہدی افادی کا مختصر تعارف پیش کیجئے۔
5. مہدی افادی کے مضامین کی خصوصیات بیان کیجئے۔

آیئے، کچھ کریں

1. اپنے استاد سے مکتوب نگاری کے فن پر معلومات حاصل کیجئے۔
2. اپنے ساتھیوں کی مدد سے اردو مکتوب نگاروں کی فہرست تیار کیجئے۔

انٹرویو

کسی خاص موضوع پر دو اشخاص کی گفتگو یا ملاقات کے دوران آپسی بات چیت کو انٹرویو کہا جاتا ہے۔ آج کے دور میں اس کی کافی اہمیت اور افادیت ہے۔ اس سے انسان کی شخصیت کی مختلف جہات کا تجزیہ آسانی کے ساتھ کرلیا جاتا ہے۔ یہ ایک مقصدی مکالمہ ہے جس سے انٹرویو لینے والا شخص اپنے سامنے بیٹھے ہوئے کی سیرت وصورت، گہرائی و گیرائی، میلان، نفسیات و اطوار کا تجزیہ مکالمہ کے ذریعہ کرتا ہے۔ انٹرویو ہنوز اصناف اردو ادب میں اپنا مقام نہیں بنا سکا ہے لیکن عنقریب اردو کے نثری اصناف میں اس کی شمولیت ممکن ہے۔

راجندر سنگھ بیدی

عہد حاضر کے چند بلند پایہ افسانہ نگاروں میں راجندر سنگھ بیدی کا شمار ہوتا ہے۔ وہ انسانی نفسیات کے دباض ہیں۔ زندگی کی چھوٹی چھوٹی حقیقتیں ان کے افسانوں کا موضوع بنتی ہیں۔ بیدی کی پیدائش یکم ستمبر 1915ء کو لاہور میں ہوئی۔ بیدی کا سب سے بڑا کمال ان کے فن کی صناعی ہے۔ اپنے افسانوں کے کرداروں کو وہ اس طرح سے تراشتے ہیں جیسے ایک سنگ تراش پتھر کے ٹکڑوں کو اپنی چھینی سے تراش کر زندہ اور روشن وجود میں بدل دیتا ہے۔ ان کے افسانوں میں سب سے زیادہ چہل پہل ان کے کرداروں کی پیدا کی ہوئی ہے۔ ان کے کرداروں میں تخیل کی رنگینی اور پختہ کاری ہے۔ بیدی نے نئی تشبیہیں اور نئے اشارے بھی وضع کئے ہیں۔ گہری جذباتیت کرداروں کی تحلیل، نفسیاتی تجزیہ اور پس منظر میں سچی زندگی، یہی سب ان کے موضوع اور فنی عناصر ہیں۔ ان کی افسانوی فکر کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ان کے کرداروں کے ضمیر وخمیر کا نہ صرف حصہ بن جاتی ہے بلکہ ایک عجب طرح کی سرشاری کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔

بیدی نے اپنے افسانوں کا مواد متوسط طبقہ سے لیا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعہ زندگی کے تلخ ترین حقائق کی ترجمانی بڑی سلاست روی کے ساتھ کی ہے۔ یہ بیدی کی خوش بختی ہی تھی کہ ان کے پہلے افسانوی مجموعہ 'دانہ و دام' نے ہی اردو ادب کی دنیا میں دھوم مچادیا۔ خواجہ غلام السیدین جیسے نابغۂ روزگار بھی بیدی کی عظمت کے قائل تھے۔ ان کے علاوہ بیدی کے ہم عصر خواجہ احمد عباس تو بیدی کو اردو افسانہ کا ناخدا قرار دیتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ فن اور مواد کے اعتبار سے اگر اردو کے دو بڑے لکھنے والوں کا نام لیا جائے تو ان میں ایک بیدی کا ہی نام ہوگا۔ ان کے افسانوں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور مختلف دانش گاہوں کے نصاب میں بھی شامل ہیں۔ افسانوی ادب کے اس منفرد فنکار کا 11 / نومبر 1984ء کو انتقال ہو گیا۔

بیدی سے انٹرویو

اردو کے عظیم افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کے ساتھ یہ انٹرویو 6 رجولائی 1984ء کو ان کی قیام گاہ پر آل انڈیا ریڈیو ممبئی کے لئے صدا بند کیا گیا تھا۔ یہ بیدی کا آخری انٹرویو ہے جو انہوں نے اپنی زندگی میں ریکارڈ کرایا تھا۔ اس انٹرویو کی اہمیت اس بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس میں زیادہ تر سوالات عصمت چغتائی نے کئے ہیں۔ اس انٹرویو کا مختصر خاکہ ہی یہاں پیش کیا گیا ہے۔

انٹرویو لینے والوں کا تعارف:

عصمت چغتائی اردو ادب کی مشہور و ممتاز افسانہ نگار اور ناول نگار ہیں۔ وہ مشہور مزاح نگار عظیم بیگ چغتائی کی بہن ہیں۔ ان کی شاہکار کہانیوں اور ناولوں نے اردو ادب کے سرمایہ میں کافی اضافہ کیا ہے۔ دونوں اصناف میں فنی اعتبار سے ان کا مرتبہ و مقام خاصا بلند ہے۔

فیاض رفعت ان کا تعلق آل انڈیا ریڈیو سے ایک طویل مدت تک رہا ہے اور اسٹیشن ڈائرکٹر کے عہدے پر بھی سرفراز رہے ہیں۔ اردو زبان و ادب کی بے لوث خدمات کے سلسلے میں لائق ستائش رہے ہیں۔

فیاض : بیدی صاحب! ہم لوگ آل انڈیا ریڈیو سے حاضر ہوئے ہیں اور آپ کا تعلق بھی آل انڈیا ریڈیو سے رہا ہے۔ 1948ء میں آپ اسٹیشن ڈائرکٹر بھی رہے ہیں۔ لیکن اس سے الگ آپ کا ایک مرتبہ ہے، بڑا قد ہے اور اردو افسانے میں آپ کا بہت بڑا نام ہے۔ ایک زمانہ سے جی چاہتا تھا

کہ آپ سے بیٹھ کر باتیں کریں، کچھ پوچھیں آپ سے افسانے کے بارے میں، کہانی کے بارے میں، زندگی کے بارے میں۔ عصمت آپا آپ سے زیادہ آسانی سے بات کر پائیں گی۔

بیدی : ٹھیک ہے، عصمت آپا شروع کریں گی اور میں جواب دوں گا۔

عصمت : ایک دفعہ ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ راجندر سنگھ بیدی کی زبان کے بارے میں آپ کا خیال ہے؟ میں نے کہا، 'بہت کم اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں بہت کچھ کہتے ہیں۔'

بیدی : یہ آپ کی نوازش ہے، شروع میں خامی تھی، اسے میں نے آہستہ آہستہ ٹھیک کیا ہے۔

عصمت : میں سمجھتی ہوں وہ کوئی خامی نہیں ہے۔

بیدی : اِن دنوں میری اردو کافی اچھی ہے، اور میں سمجھتا ہوں اس میں کوئی خامی نہیں نکال سکتا۔

فیاض : اچھا بیدی صاحب! میں سمجھتا ہوں، لاہور میں جب آپ پوسٹ آفس میں کام کرتے تھے، اس زمانے میں ہی آپ نے پہلا افسانہ لکھا۔ تو وہ افسانہ لکھنے کی تحریک آپ کو کیسے ملی؟ اور وہ افسانہ کون سا تھا اور وہ کہاں شائع ہوا تھا؟

بیدی : دیکھئے، وہ افسانہ تھا 'مہارانی کا تحفہ' وہ ضائع ہوگیا۔ وہ میں نے ٹیگور کے رنگ میں لکھا تھا اور اسے سال کا بہترین افسانہ قرار دیا گیا تھا۔

فیاض : میں سمجھتا ہوں بیدی صاحب! افسانے میں جو زبان ہوتی ہے وہ آرائشی زبان نہیں ہونی چاہئے، وہ تو اس کیریکٹر کی زبان ہونی چاہئے جو وہ بول رہا ہے..... یہ تو ادیب کی تخلیقیت ہوتی ہے۔ بڑا ادیب تو اپنی زبان خود لے کر پیدا کرتا ہے۔ اس صورت میں ادیب پر اعتراض بالکل بے جا ہے۔

بیدی : کسی کے افسانہ پر رائے دینی ہو تو آج کل کہا جاتا ہے..... افسانہ بہت اچھا ہے..... بہت گریٹ ہے، مگر زبان.....؟ یہ زبان سنتے سنتے تو میں عاجز آ گیا ہوں۔ پھر میں تو وہی الفاظ استعمال کرتا ہوں جو میرے ذہن میں آتے ہیں۔

فیاض : اچھا بیدی صاحب! آپ کے افسانوں میں جو میں نے محسوس کیا کہ پچھلے چند برسوں میں آپ کے افسانوں میں Hindu Mythology (ہندو مذہبی عقائد) نمایاں ہے۔ آپ کے یہاں جو یہ

ایک نئی چیز پیدا ہوئی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

بیدی : وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں بیشتر لوگ مسلمان کردار ہی لاتے ہیں۔ میں نے سوچا، پورے ہندوستان میں اتنے ہندو ہیں ان کا نام اگر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کے علاوہ میرے افسانوں کے کردار مسلمان بھی ہیں جیسے 'تعطل'۔

عصمت : اچھا ایک کہانی تم نے بڑی خوبصورت لکھی تھی کہ ایک لڑکی کہیں پر جاتی ہے تو ایک بوڑھا آدمی موڑ میں اس کے پیچھے پیچھے جاتا ہے..... وہ بہت خوبصورت کہانی تھی..... ہاں! وہ بوڑھا دیکھتا رہتا ہے اور وہ لڑکی بہت غصہ میں ہوتی ہے کہ یہ بڈھا کون میرے پیچھے پڑ گیا ہے..... یہ بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بوڑھا اس کے لئے پیغام لاتا ہے اپنے بیٹے کا.....۔

بیدی : بیٹے کا پیغام لاتا ہے، لیکن وہ لڑکی سمجھتی نہیں ہے اور اس کی ہر بات کا جواب جلی، کٹی ہوئی دیتی ہے۔ پھر ایک رشتہ آتا ہے اور وہاں شادی ہو جاتی ہے۔ سسرال میں اس سے کوئی کہتا ہے، 'بیٹا تم بہت خوبصورت تھیں، تندرست تھی نا! جیتی رہو۔ پھر وہ منہ اٹھا کر دیکھتی ہے۔ وہ تو وہی بڈھا ہے۔'

فیاض : بیدی صاحب! آپ فلموں کے ساتھ وابستہ رہے ہیں اور اس میں آپ کا اپنا تجربہ بھی کافی ہے۔ دستک، گرم کوٹ، دیوداس، مرزا غالب اور مدھومتی وغیرہ بڑی خوبصورت فلمیں بنائی ہیں۔

بیدی : بجا ہے۔ فلمی دنیا ادبی دنیا نہیں ہوتی۔ تجارتی دنیا ہوتی ہے۔ مجھے اس دنیا کا کافی تلخ تجربہ ہے اور اب مزید اس تجارتی دنیا کا تجربہ نہیں چاہتا۔

عصمت : ہم لوگ بمبئی میں رہتے ہیں نا..... بمبئی میں لوگ فلموں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔

بیدی : آپ کا کہنا درست ہے۔ بمبئی کا بازار ہی فلمی ہے۔ لوگوں کی اکثریت کا مزاج بھی فلمی ہے۔ میری کہانیوں پر فلمیں بنی ہیں لیکن میں فلم بنی کا شوقین نہیں۔ اب تو نہ محبوب جیسے ڈائرکٹر ہیں اور نہ یعقوب جیسا کیریکٹر۔ پہلے کہانی پر فلم بنتی تھی۔ اب تو کیریکٹر اور اداکاروں کے مطابق کہانی لکھنے والے بمبئی کے بازاروں میں ملنے لگے ہیں۔

فیاض : بیدی صاحب! آپ کے ڈراموں کا بھی ایک مجموعہ موجود ہے، 'سات کھیل'۔ ادھر ہمارے یہاں

اردو میں ڈرامہ ہی نہیں ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے ہاں ڈرامہ صنف کی حیثیت سے بھی زیادہ مضبوط اور استوار نہیں ہے؟

بیدی : ڈرامے کی جس قسم کی Length (طوالت) ہونی چاہئے، اتنی نہیں ہے۔ ہم لوگوں نے بغیر تجربہ حاصل کئے ڈرامے لکھے۔

عصمت: یعنی وہ ڈرامے اسٹیج نہیں کئے جاسکتے؟

بیدی : جی ہاں۔ ڈرامے بہت عمدہ ہیں لیکن اسٹیج نہیں کئے جاسکتے۔

عصمت: ہمارے ہاں جیلانی بانو کا ناول 'ایوان غزل' بہت اچھا ہے۔

بیدی : پاکستانی مصنفوں نے ناول کی طرف زیادہ توجہ دی ہے۔ میں نے بھی ایک چھوٹا سا ناول لکھا ہے۔ 'ایک چادر میلی سی' بس وہ لکھ کے بیٹھ گیا۔

فیاض : بیدی صاحب! ہمیں آپ کی علالت کا احساس ہے لیکن اگر آپ لاہور کی کچھ یادیں دہرادیں تو ہمارے سامنے آپ کی پوری زندگی آجائے گی۔

بیدی : بھئی سب سے پہلے تو اوپندر ناتھ اشک میرے دوست تھے۔ ان کی بیوی کا انتقال ہوگیا تو وہ زیادہ تر میرے گھر میں پڑے رہتے تھے۔ کرشن کی بابت..... میں نے ان کی کہانیاں پڑھیں تو بہت متاثر ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راستے سے کوئی آدمی گزرتا، تو میں اس سے پوچھتا تھا کہ 'آپ کرشن چندر ہیں۔' پنجاب پبلک لائبریری گیا تو پتہ چلا کہ وہاں ایک Carear رسالہ شائع ہوتا ہے اور اس کے اڈیٹر کرشن چندر ہیں۔ میں وہاں گیا اور میں نے کہا، 'آپ کرشن چندر ہیں؟' وہ کہنے لگے۔ 'تم راجندر سنگھ بیدی ہو؟' اور پھر ہم دونوں گلے مل گئے۔

فیاض : اچھا بیدی صاحب! آپ کی سعادت حاصل ہوئی۔ آج کی گفتگو یہیں پر ختم۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔

لفظ و معنی

نفسیات ۔ احساسات، جذبات اور میلان کی جانکاری

نباض ۔ نبض کی چال اور رفتار اور کیفیت کو پرکھنے والا
صناعی ۔ کاریگری
عناصر ۔ عنصر کی جمع، اجزاء
ضمیر ۔ دل، نفس
خمیر ۔ مٹی
متوسط ۔ درمیانی
تلخ ۔ ترش، کڑوا
خوش بختی ۔ خوش قسمتی

ناخدا ۔ ملاح
منفرد ۔ انوکھا، جدا
نوازش ۔ کرم، عنایت
خامی ۔ کمی، عیب
استوار ۔ مضبوط
ایوان ۔ محل
ستائش ۔ تعریف
سرشاری ۔ مستی کی کیفیت
تجزیہ ۔ جائزہ لینا
عظمت ۔ بڑائی، بلندی
دانشگاہ ۔ علم حاصل کرنے کی جگہ
طوالت ۔ لمبائی، تنخامت
علالت ۔ بیماری
سعادت ۔ فرماں برداری

آپ نے پڑھا

- راجندر سنگھ بیدی کا شمار اردو کے بلند پایہ افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے اور ان کا سب سے بڑا کمال ان کے فن کی

صناعی ہے اور وہ انسانی نفسیات کے ماہر اور دباض ہیں۔

- بیدی نے اپنے افسانوں کا مواد متوسط طبقہ سے لیا ہے اور انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعہ زندگی کی تلخ حقیقتوں کو پیش کیا ہے۔

مختصر ترین سوالات

1. انٹرویو لینے والوں کے نام بتایئے۔
2. کس کا انٹرویو لیا گیا؟
3. راجندر سنگھ بیدی کس شہر میں پیدا ہوئے تھے؟
4. بیدی کے پہلے افسانے کا کیا نام ہے؟
5. بیدی کی موت کب ہوئی تھی؟

مختصر سوالات

1. راجندر سنگھ بیدی کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟
2. بیدی نے کن کن دفاتر میں کام کیے؟
3. بیدی لاہور کے کس محکمہ میں کام کرتے تھے؟
4. عصمت آپا کی شخصیت پر پانچ جملے لکھئے۔
5. بیدی اور کرشن چندر میں پہلی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟

طویل سوالات

1. عصمت چغتائی کے بارے میں دس جملے لکھیے۔
2. راجندر سنگھ بیدی کے افسانوی مجموعوں کے نام لکھئے۔
3. بیدی کی افسانہ نگاری کی خصوصیات پر چند جملے لکھیے۔
4. بہار کے عہد حاضر کے چند ممتاز افسانہ نگاروں کے نام لکھیے۔
5. مندرجہ ذیل لفظوں کی جمع بنا کر لکھیں۔

شخص، ادب، صنف، حقیقت، عنصر، حصہ، کیفیت، تخیل

6. ذیل کے الفاظ کی اضداد لکھیے۔

بلند، حقیقت، وجود، تلخ، لائق، زندگی، خوش بختی، قریب، ممکن، شروع

7. خالی جگہوں کو بھریے: (متن کے حوالے سے)

عصمت آپا..... کریں گی اور میں..... دوں گا۔

میں سمجھتا ہوں..... میں جب..... میں کام کرتے تھے۔

اس..... کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس میں..... سوالات..... نے کئے ہیں۔

1948ء میں آپ..... بھی رہے ہیں۔

آیئے، کچھ کریں

1. ہندوستان کے چند مشہور افسانہ نگاروں کی تصاویر جمع کر کے اپنے اردو کے استاد کو دکھائیں اور اپنے درجہ میں آویزاں کریں۔
2. راجندر سنگھ بیدی سے جو انٹرویو لیا گیا ہے اس کو آپ نے پڑھا اور سمجھا ہے۔ اب آپ دوست مل کر اپنے کسی استاد کا انٹرویو لیجئے۔ سوالات جو پوچھنا ہے، اسے تیار کریں اور اس میں اپنے اردو کے استاد کی مدد لیں۔
3. راجندر سنگھ بیدی کے انٹرویو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد اب آپ راجندر سنگھ بیدی پر دس سطر کا ایک مضمون لکھیں۔

ABSOL SOLUTIONS

نظم

اردو میں نظموں کا سراغ سرسید تحریک سے پہلے بھی ملتا ہے لیکن یہ ایک سچائی ہے کہ سرسید کی تحریک کے زیر اثر مغرب سے استفادے کا دور شروع ہوا تو نظم نگاری کی روایت میں انقلاب آ گیا۔ محکمہ تعلیم حکومت پنجاب کے قیام کے دوران محمد حسین آزاد اور خواجہ الطاف حسین حالی نے نظم نگاری کی تحریک کی قیادت کی اور نظم نگاروں کی ایک جماعت قائم ہوگئی۔ اور یہیں سے اردو ادب کی تاریخ میں جدید دور کا آغاز ہوا۔ اسی وجہ سے حالی اور آزاد کو جدید نظم کا پیش رو مانا جاتا ہے۔ اس دور میں جدید نظم نگار کی حیثیت سے جن نظم نگاروں کو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ان میں اسماعیل میرٹھی، ڈپٹی نذیر احمد، شبلی نعمانی، عبدالحلیم شرر اور اکبر الہ آبادی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان شاعروں میں جدید نظم نگاری کی روایت کو مضبوط اور مستحکم بنانے میں اپنی بھرپور صلاحیتوں کا استعمال کیا۔

بیسویں صدی میں درگا سہائے سرور جہان آبادی، اقبال، چکبست اور نظم طباطبائی جیسے شاعروں نے نظم نگاری کی طرف خصوصی توجہ کی۔ لیکن اقبال نے اس دور میں وہ کارنامہ انجام دیا جس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ اسی وجہ سے اقبال کو بیسویں صدی کا عظیم ترین شاعر مانا جاتا ہے۔ اقبال نے ہیئت اور موضوع دونوں سطحوں پر انقلاب برپا کر دیا۔ اقبال کے بعد ہی نظموں میں عالمانہ اور فلسفیانہ موضوعات کو نظم کے قالب میں ڈھلنے کا موقع مل سکا۔

اقبال کے بعد اردو میں ترقی پسند تحریک شروع ہوئی اور حیات و کائنات کے خارجی اور داخلی مسائل کو موضوع بنا کر نظمیں کہی جانے لگیں۔ اقبال کے زمانے میں ہی جوش نے قومی تحریک سے متاثر ہو کر انقلابی نظمیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔ اختر شیرانی نے رومانی نظموں کی تخلیق پر توجہ کی۔ فراق نے مختصر تعداد میں نظمیں کہیں۔ اس طرح اردو نظموں میں نئی نئی کروٹیں ابھرنے لگیں۔ فلسفیانہ تیور نظر آنے لگے۔ پابند نظموں کے ساتھ ساتھ معریٰ نظمیں اور آزاد نظمیں اس دور میں کافی تعداد میں لکھی گئیں اور اس طرح مقبول ہوئیں کہ پابند نظم نگاری کی روایت کمزور پڑنے لگی۔ اس سلسلے میں فیض، مخدوم، مجاز، علی سردار جعفری، جمیل مظہری، جاں نثار اختر، کیفی اعظمی، وامق جونپوری، سکندر علی وجد وغیرہ ایسے شعرا ہیں جنہوں نے ترقی پسند نظموں کو وقار عطا کیا۔ راشد، میراں جی اور اختر الایمان جدید اردو نظم کی ایسی مثلیث مانے جاتے ہیں جن کے شاعرانہ کمالات سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جدیدیوں نے اردو نظم کو داخلیت اور علامت سے گھلا ملا کر ایک نئی راہ نکالی۔ وزیر آغا، شہریار، افتخار عارف، محمد علوی، ندا فاضلی، قاضی سلیم، باقر مہدی وغیرہ اس گروہ کے نمائندہ شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ شاعرات نے بھی اس دور میں اپنے کمالات کا اظہار کیا۔ ان میں شفیق فاطمہ شعریٰ، زاہدہ زیدی، ساجدہ زیدی، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض اور پروین شاکر اسی دور کی پیداوار ہیں۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں دانشورانہ اور فلسفیانہ افکار کے اظہار کے لئے سب سے اچھا اور موثر سانچہ نظم ہے۔

چکبست

چکبست کا پورا نام پنڈت برج نارائن ہے اور چکبست تخلص ہے۔ ان کی پیدائش 1882ء میں فیض آباد (یوپی) میں ہوئی۔ لیکن چکبست کے آباواجداد چونکہ لکھنو سے تعلق رکھتے تھے اس لئے چکبست بھی بچپن میں ہی لکھنو چلے آئے اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اودیکتنگ کالج لکھنو میں داخلہ لیا۔ 1905ء میں بی اے پاس اور 1908ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا اور عملاً وکالت بھی شروع کردی۔ رفتہ رفتہ چکبست لکھنو کے مشہور وکیلوں میں شمار ہونے لگے۔ 1926ء میں ایک مقدمہ کے سلسلے میں چکبست رائے بریلی تشریف لے گئے اور وہاں کی عدالت میں کامیابی کے ساتھ بحث کی اور اسی دن سہ پہر کو لکھنو جانے کے لئے اسٹیشن آئے ٹرین میں بیٹھے ہی تھے کہ دماغ پر فالج کا حملہ ہوا اور زبان بند ہوگئی۔ علاج ومعالجہ کیا گیا لیکن سب بے سود ثابت ہوا۔ وقت موعود آچکا تھا۔ 7 ربجے شام کو اسٹیشن پر ہی چکبست کا انتقال ہوگیا لاش کو لکھنؤ لایا گیا اور آخری رسوم ادا کردی گئی۔

چکبست فطری شاعر تھے چنانچہ ان کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا یہی وجہ ہے کہ 9-10 سال کی عمر میں چکبست نے پہلی غزل کہی۔ تب سے انہوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور زندگی کی آخری سانسوں تک شعر گوئی میں مصروف رہے۔ اساتذہ شعرا میں چکبست آتش، غالب اور انیس کے شیدائی تھے۔ ان کی غزلوں میں آتش کا رنگ اور مسدس پر انیس کی تقلید کا اثر نمایاں ہے۔ شاعری کے خیالات گرچہ اساتذہ کے خیال سے مختلف ہیں لیکن طرز کلام سلاست زبان، بندش الفاظ اور حسن تراکیب میں مذکورہ اساتذہ کی تقلید نمایاں ہے۔

چکبست نے اپنی شاعری میں نئے نئے خیالات نظم کیے مگر زبان کی چاشنی، اسلوب بیان، لطافت اور پاکیزگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ کیونکہ الفاظ کی بندش سے صناعی کرنا ہی دراصل شاعری کا جزو اعظم ہے۔ جیسا کہ آتش نے کہا ہے ۔

بندش الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

مناظرِ قدرت

فضائے کوہ میں ایسی ہوا سماتی ہے
بشر کی روح کو راحت کی نیند آتی ہے

بس ایک عالم ہو چار سمت طاری ہے
نہ شور و شر ہے نہ دنیا کی آہ و زاری ہے

اثر دکھاتا ہے قدرت کا نغمہ دل گیر
شجر حجر سے ٹپکتی ہے راگ کی تاثیر

یہ راگ وہ ہے جو مضراب کا اسیر نہیں
یہ حرف کان کے پردوں میں گوشہ گیر نہیں

وہی سنے گا اسے دل گداز ہے جس کا
ہو دل میں سوز تو رگ رگ میں ساز ہے اس کا

حریم خاص میں قدرت کے باریابی تھی
نگاہِ شوق میں اک شان بے حجابی تھی

شریک جاں تھی وضع قدیم قدرت کی
عیاں تھی سنگ و شجر سے کشش محبت کی

شراب اس حقیقی سے تھا ہر اک سرشار
شجر تھا کوہ تھا چشمہ تھا یا یہ مشتِ غبار

درخت و کوہ ہیں کیا ذات پاک انساں کیا
طیور کیا ہیں ہوا کیا ہے ابرباراں کیا

یہ موج ہستی بیدار کے عناصر ہیں
سب ایک قافلۂ شوق کے مسافر ہیں

یہ دل کے ٹکڑے ہیں قدرت کے ان میں بیر نہیں
سب ایک گود کے پالے ہیں کوئی غیر نہیں

انہیں سے نغمۂ قدرت ہے اوج و پستی میں
سب ایک ساز کے پردے ہیں بزم ہستی میں

جدا کسی سے بھی ہستی کا اپنے راز نہیں
کچھ آبشار میں اور ہم میں امتیاز نہیں

ہے جسم خاک یہاں اس کا جسم پانی ہے
جو روح ہم میں ہے اس میں وہی روانی ہے

لفظ و معنی

کوہ - پہاڑ

بشر - انسان

عالم ہو - سناٹا، ویرانی

طاری ہے - چھایا ہوا ہے

آہ و زاری - رونا و گڑگڑانا

نغمہ - گانا

شجر - درخت

حجر - پتھر

مضراب - موسیقی کا ایک آلہ

اسیر - قیدی

گوشہ گیر - گوشہ پکڑنے والا

دل گداز - پگھلنے والا دل، نرم دل

سوز - جلن

مے - شراب

باریابی - دربار میں آنے کی اجازت

بے حجابی - بے پردگی

سنگ - پتھر

آب خنک - ٹھنڈا پانی

وضع قدیم - پرانا طریقہ

عیاں - ظاہر

انس - پیار، الفت

سرشار - بھرا ہوا، لبریز

ABSOL SOLUTIONS PATNA

طیور - پرندے، طائر کی جمع

ابر - بادل

باراں - بارش

نزاع - اختلاف، جھگڑا

بزمِ ہستی - دنیا کی محفل

آپ نے پڑھا

- زیرِ نصاب نظم ' مناظرِ قدرت' پنڈت برج نارائن چکبست کی تخلیق ہے جو ان کی منظری شاعری کی بہترین مثال ہے۔ اس نظم میں چکبست نے نہ صرف یہ کہ اپنے ملک ہندوستان کے فطری مناظر کو حسن و جمال کی تعریف کی ہے بلکہ بالواسطہ طور پر ہندوستان کی عظمتِ دیرینہ کے گیت بھی گائے ہیں۔
- اس نظم کا ایک خاص پس منظر بھی ہے۔ شاعر چکبست نے ایک بار دہرہ دون کا سفر کیا تھا۔ دہرہ دون صوبہ اترانچل کا صدر مقام ہے اور قدیم زمانے سے ہی خوبصورت پہاڑی علاقے میں شمار کیا جاتا ہے۔ دور دور کے علاقوں اور غیر ممالک سیاح وہاں کے خوبصورت فطری مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے آتے ہیں۔ شاعر نے دہرہ دون کے سفر میں اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا اور جو کچھ محسوس کیا اسے شعری قالب میں ڈھال دیا ہے۔
- دہرہ دون ایک پہاڑی مقام ہے جہاں پہاڑ کی بلندی اور وہاں کی خاموشی قابلِ دید ہے اگر دل نکتہ شناس ہو تو اس ویرانے اور بلندی پر خدا کی قدرت اور اس کے وجود کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ دہرہ دون کے پہاڑوں کی خاموشی اپنی زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ اگر چشم بینا ہو اور دل حساس ہو تو اس ویرانے اور خاموشی میں بھی قدرت کے نظاروں کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

مختصر ترین سوالات

1. چکبست کا انتقال کب اور کہاں ہوا؟
2. چکبست نے کون کون سی ڈگریاں حاصل کی؟
3. چکبست کا انتقال کس بیماری میں ہوا؟
4. چکبست کی کون سی نظم ہمارے نصاب میں شامل ہے؟

5. چکبست کا پورا کیا نام کیا تھا؟

مختصر سوالات

1. چکبست کے بارے میں پانچ جملے لکھیے۔
2. جدید اردو نظم کی مختصر تعریف کیجیے۔
3. زیر نصاب نظم میں شاعر نے کہاں کی منظر نگاری کی ہے؟
4. نظم کے اجزائے ترکیبی پر روشنی ڈالیے۔

طویل سوالات

1. چکبست کی نظم نگاری کا فنی جائزہ لیجیے۔
2. جدید نظم کی تعریف کرتے ہوئے اس کا ارتقائی جائزہ لیجیے۔
3. زیر نصاب نظم 'مناظر قدرت' کا مرکزی خیال پیش کیجیے۔
4. صحیح مصرعوں کا جوڑا لگائیے:

(الف) فضائے کوہ میں ایسی ہوا سماتی ہے	(i) یہ حرف کان کے پردوں میں گوشہ گیر نہیں
(ب) یہ راگ ہے وہ جو مضراب کا اسیر نہیں	(ii) نہ شور و شر ہے نہ دنیا کی آہ و زاری ہے
(ج) جدا کسی سے بھی ہستی کا اپنے راز نہیں	(iii) بشر کی روح کو راحت کی نیند آتی ہے
(د) بس ایک عالم ہو چار سمت طاری ہے	(iv) کچھ آبشار میں اور ہم میں امتیاز نہیں

آیئے، کچھ کریں

1. اپنے استاد کی مدد سے جدید نظم نگار شعرا کی فہرست تیار کیجیے۔
2. طلبہ کی مدد سے جدید شعرا کی موجودگی کو یقینی بنا کر ایک مشاعرہ کا اہتمام کیجیے۔

جگن ناتھ آزاد

جگن ناتھ آزاد محقق بھی تھے اور شاعر بھی۔ اور ان دونوں حیثیتوں سے ان کی اہمیت مسلم مانی جاتی ہے۔ جہاں تک شاعری کا تعلق ہے وہ غزل گوئی اور نظم نگاری پر بھی یکساں دسترس رکھتے تھے۔ ان کے والد تلوک چند محروم بھی شاعر تھے۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ شاعری انہیں وراثت میں ملی تھی۔

جگن ناتھ آزاد 5 دسمبر 1918ء کو عیسیٰ خیل میں پیدا ہوئے جو اب پاکستان کے ضلع میانوالی کی تحصیل ہے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے گھر ہی پر اپنے والد سے حاصل کی جو ایک اسکول ٹیچر بھی تھے۔ پہلے کلورکوٹ کے ایک اسکول میں ان کا داخلہ تیسرے درجے میں ہوا۔ 12 برس کی عمر میں انہوں نے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد ان کا داخلہ موہن رائے ہندو ہائی اسکول، میانوالی میں ہوا۔ جہاں سے انہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ جب والد کا تبادلہ راولپنڈی ہوگیا تو وہاں کے ڈی اے وی کالج میں داخلہ لیا۔ 1933ء میں ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ پھر گارڈن کالج، راولپنڈی سے بی اے کیا۔ 1942ء میں انہوں نے پنجاب یونی ورسٹی سے فارسی زبان وادب میں آنرز کی ڈگری حاصل کی اور اسی مضمون میں 1944ء میں ایم اے کیا۔

جب ملک کا بٹوارہ ہوا تو وہ ستمبر 1947ء میں دہلی آگئے۔ لیکن پاکستان سے ان کا تعلق ہمیشہ قائم رہا۔

جگن ناتھ آزاد نے مختلف قسم کی نوکریاں کیں اور آخر میں جموں یونی ورسٹی میں انہیں صدر شعبہ اردو کا عہدہ ملا۔ وہ اس منصب پر 1983ء تک رہے۔ پھر پروفیسر امریٹس بنادیئے گئے۔ یہ اعزاز ان کے لئے تاحیات تھا۔

محقق کی حیثیت سے انہوں نے بہت اہم خدمات انجام دیں ان کا شمار ماہرین اقبالیات میں ہوتا ہے۔

شاعری میں انہوں نے غزل کے ساتھ ساتھ نظموں میں بھی اپنی ایک خاص پہچان بنائی۔ وہ ترقی پسند دور کے ایسے شاعر ہیں جنہوں نے اپنی غزلوں اور نظموں میں کلاسیکی اور روایتی رنگ کو پھیکا نہیں پڑنے دیا۔

25 رجولائی 2004ء کو ان کا انتقال دہلی میں ہوا۔

انڈیا گیٹ

انڈیا گیٹ کی رفعت ہے نگاہوں پہ محیط
انڈیا گیٹ وہ تاریخ کا اک بابِ جلیل
انڈیا گیٹ وہ افرنگ کی تعمیرِ جمیل
انڈیا گیٹ وہ اغیار کی نصرت کا نشاں
انڈیا گیٹ وہ اپنوں کی غلامی کی دلیل

کشورِ ہند کے جانباز محبانِ وطن
خون سے سینچے نکلے ہیں پیرایوں کا چمن
ایک سیلاب شجاعت کا بڑھا آتا ہے
کہیں دجلے کی ہیں لہریں کہیں امواج جمن

واہ کیا جوش تہوّر کا ہے اشد غنی
ہر قدم سے ہے عیاں حسرتِ شمشیر زنی
بھوک ہر شخص کو جانباز بنا دیتی ہے
اور افلاس رہِ منزلِ حب الوطنی

سامنے دیدۂ مشتاق کے موجود ہے کیا
زندگانی کے خزانے سے یہ مفقود ہے کیا
اوجِ افلاک تری منزلِ مقصود ہے کیا
انڈیا گیٹ کی رفعت ہے نگاہوں پر محیط

لفظ و معنی

رفعت	ـ	بلندی
محیط	ـ	پھیلا ہوا
تعمیر	ـ	بناوٹ
جمیل	ـ	خوبصورت
اغیار	ـ	غیر کی جمع
نصرت	ـ	کامیابی
کشورِ ہند	ـ	ملک ہندوستان کی طرف اشارہ ہے
جانباز	ـ	بہادر، جان دینے والا
محبان	ـ	دوست، محب کی جمع
شجاعت	ـ	بہادری
غنی	ـ	بے نیاز
عیاں	ـ	ظاہر
افلاس	ـ	غریبی
دشت	ـ	جنگل
علم	ـ	جھنڈا
مشتاق	ـ	چاہت، چاہنے والا
مفقود	ـ	گم شدہ چیزیں، نایاب

اوج - بلندی

اخلاص - خلوص کی جمع

مطیع - فرماں بردار

آپ نے پڑھا

- اس نظم میں شاعر نے انڈیا گیٹ کی عظمت کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ گیٹ ہندوستان کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے اگرچہ اس کی تعمیر انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں کی تھی لیکن اس کے باوجود اس سے ہندوستان کی عظمت کی پہچان نمایاں ہوتی ہے۔
- شاعر کو یہ احساس بار بار ستاتا ہے کہ ہم اپنی عظمت کی پہچان کے لئے دوسروں کے دست نگر ہیں۔ آزادی کی طلب اور ہندوستان کی اپنی پہچان ہمارا سب سے بڑا مقصد ہونا چاہئے۔ ہر طرف افلاس اور ناداری کا نقشہ نظر آتا ہے۔ لیکن ہم فرنگیوں کی تعمیر کردہ نشانی پر فخر کرنے لگتے ہیں۔
- ہمیں اپنی صحیح منزل کو سمجھنا چاہئے اور انڈیا گیٹ کو تاریخ کی ایک یادگار کے طور پر قبول تو کرنا چاہئے لیکن ہمیں اپنے بنیادی مسائل کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے۔ نظم میں مختصر لیکن پراثر انداز میں شاعر نے قومی حمیت کو للکارا ہے۔

مختصر ترین سوالات

1. جگن ناتھ آزاد کب پیدا ہوئے؟
2. جگن ناتھ آزاد کے والد کا نام کیا ہے؟
3. انڈیا گیٹ کہاں ہے؟
4. انڈیا گیٹ کی تعمیر کس نے کی؟

مختصر سوالات

1. اس نظم میں شاعر نے جو کچھ کہا ہے اسے پانچ جملے میں لکھئے۔
2. نظم کی مختصر تعریف کیجئے۔
3. جگن ناتھ آزاد کے تین شعری مجموعوں کے نام لکھئے۔

4. جگن ناتھ آزاد کے مختصر حالات پانچ جملے میں لکھئے۔
5. اسم ضمیر کی تعریف لکھئے۔

طویل سوالات

1. نظم کے پہلے بند کی تشریح کیجئے۔
2. زیرنصاب نظم 'انڈیا گیٹ' کا خلاصہ پیش کیجئے۔
3. جگن ناتھ آزاد کی نظم نگاری کا جائزہ لیجئے۔
4. واحد سے جمع بنائیے۔

غیر، باب، دلیل، شخص، مقصد

آیئے، کچھ کریں

1. اپنے استاد کی مدد سے پانچ مسلم شعرا کے نام لکھیے۔

پرویز شاہدی

پرویز شاہدی کا پورا نام سید اکرام حسین تھا۔ اردو شاعری میں پرویز شاہدی کے نام سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام سید احمد حسین تھا۔ پرویز شاہدی کے خاندانی پس منظر کے بارے میں ایک ناقد سالک لکھنوی لکھتے ہیں:

'30 ستمبر 1910ء کو لودی کٹرہ، پٹنہ سیٹی کی عالم منزل میں ایک نجیب الطرفین سید احمد حسین کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے جس کا نام سید اکرام حسین رکھا جاتا ہے۔ سید احمد حسین بہار کے ایک زمیندار، ایک اچھے شاعر اور صاحب نظر ادیب اور عظیم آباد کی روایتی تہذیب کے علم بردار تھے۔ صوفی منش ہوتے ہوئے بھی گھر کی فضا میں راست و مذہبیت کا رنگ غالب تھا جو رواداری، وضع داری اور صاف ستھری قدیم تہذیب کا غماز تھا۔'

پرویز شاہدی کے آبا و اجداد میں ایک سید محمد جنگ تھے جو سلطان محمد غوری کی فوج میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے۔ سید محمود جنگ کی شادی راجگیر کے میر احمد علی کی دختر سے ہوئی جن سے سید حامد حسین پیدا ہوئے۔ حامد حسین کی نسل میں سید احمد حسین تھے جو پرویز شاہدی کے والد تھے۔ اس طرح پرویز شاہدی کا خاندانی پس منظر اعلیٰ و ارفع تھا۔ پرویز کی تعلیم و تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی اور انہوں نے مدرسہ نظامیہ میں عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی۔ صوفیانہ ماحول کی وجہ سے غالب گمان یہ ہے کہ پرویز نے کسی بزرگ سے بیعت بھی کر لی تھی۔

پرویز نے 1925ء میں کولکاتہ یونی ورسٹی سے میٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد وہ پٹنہ چلے آئے اور پٹنہ یونی ورسٹی سے 1930ء میں آنرس کیا۔ 1934ء میں اردو میں ایم اے کیا اور 1935ء میں فارسی میں ایم اے کیا۔ اسی سال کولکاتہ واپس لوٹ گئے اور اسلامیہ اسکول میں مدرس ہوئے۔ پھر چند دنوں کے لئے انسپکٹر آف اسکول بھی ہوئے آخر کار 1947ء میں

سریندر ناتھ کالج کولکاتہ میں اردو کے لکچرر بحال ہوئے۔ اسی زمانے میں پرویز کے سیاسی شعور میں انقلابی تبدیلی آئی اور انہوں نے مارکسی نظام کا مطالعہ کیا جس کی وجہ سے ان کی شاعری میں اشتراکیت کا رنگ آ گیا۔

1958ء میں پرویز شاہدی شعبہ اردو کولکاتہ یونی ورسٹی سے وابستہ ہو گئے۔ قیام کولکاتہ کے دوران ہی پرویز کی شادی اعلیٰ تعلیم یافتہ فضیلت النساء بیگم سے ہوئی۔

پرویز شاہدی کو شعروادب کا ذوق خداداد تھا۔ انہوں نے پہلا شعر آٹھ سال کی عمر میں کہا شروع میں اکرام تخلص رکھا پھر پرویز تخلص کرنے لگے۔ شاہدی کی نسبت نانیہال سے ہے جو ان کے پرنانا سید شاہ شاہد حسین سے منسوب ہے۔

مرض تنفس اور کثرت نوشی کی وجہ سے 5/مئی 1968ء کو پرویز شاہدی کا انتقال ہو گیا۔

پرویز شاہدی نے شاعری کی ابتدا میں ناسخ کا رنگ اپنایا پھر غالب کی پیچیدگی کی طرف مائل ہوئے۔ ان کے چند اشعار میں جگر مرادآبادی کا رنگ بھی ملتا ہے۔ اس تقلیدی دور میں پرویز شاہدی اقبال اور جوش کے ساتھ بنگلہ کے مشہور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور اور قاضی نذرالاسلام سے بھی متاثر ہوئے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود پرویز خود فطرت کی طرف سے اعلیٰ دل و دماغ لے کر آئے تھے۔ لہذا انہوں نے شاعری میں اپنا راستہ خود بنایا اور جلد ہی اپنا انفرادی رنگ قائم کر لیا۔ پرویز شاہدی کے دو شعری مجموعے 'رقص حیات' اور 'تثلیث حیات' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

ہم نوجواں ہیں

ہم نوجواں ہیں، جانِ بہاراں، مرگِ خزاں ہیں
شادابیوں کا گلشنِ بداماں، اک کارواں ہیں
جام و سبو کی، کیف و نمو، روح تپاں ہیں
ہم آتشِ گل کی رقص کرتی چنگاریاں ہیں
ہم نوجواں ہیں!

وہ ہوں دفاتر، یا درسگاہیں یا کارخانے
جذبات کے یا افکار کے ہوں وہ آشیانے
سبزے کی مسند، کالے دھوئیں کے شامیانے
سن کر صدائیں ساز جوانی سب نغمہ خواں ہیں
ہم نوجواں ہیں!

بھیگی حسیں پھر کیف نمو کا حق مانگتی ہے
تسکین ذوق جام و سبو کا حق مانگتی ہے
بزمِ جوانی میں ہائے ہو کا حق مانگتی ہے
بارود مل کر کس کو ڈراتی یہ جھریاں ہیں
ہم نوجواں ہیں!

شعلے غضب کے رہتے ہیں رقصاں قلب و جگر میں

سانسیں ہماری سورج کی کرنیں شوق سحر میں
سوراخ کردیں ظلمت کدوں کے دیوار و در میں

سوز دروں سے اپنی نگاہیں آتشِ فشاں ہیں
ہم نوجواں ہیں!

باغ نشاط حسن و محبت لے کر رہیں گے
صبح تبسم، شام مسرت لے کر آئیں گے
جو چھن گئی ہے وہ اپنی جنت لے کر رہیں گے

بے کار برہم بوڑھے جہنم کے پاسبان ہیں
ہم نوجواں ہیں!

لفظ و معنی

مرگ - موت
خزاں - پت جھڑ
گلشن بداماں - دامن میں گلشن لئے ہوئے
کاروان - جماعت
جام و سبو - جگ اور گھڑا
روح تپاں - گرمی سے تپتی ہوئی روح
آتش - آگ
رقص - ناچ
غضب - بہت زیادہ غصہ
قلب و جگر - دل و جگر

سحر	۔	صبح
ظلمت	۔	تاریکی، اندھیرا
در	۔	دروازہ
سوزدروں	۔	اندرونی جلن
آتش فشاں	۔	آگ اگلتی ہوئی
شرارہ	۔	آگ کا شعلہ
خورشید	۔	سورج
سیال	۔	بہتی ہوئی چیز
آہن	۔	لوہا
افکار	۔	سوچ (فکر کی جمع)
صدا	۔	آواز
نغمہ خواں	۔	گانا گانے والے
بزم	۔	محفل
نشاط	۔	خوشی
مسرت	۔	خوشی
تبسم	۔	مسکراہٹ
برہم	۔	ناراض
پاسباں	۔	حفاظت کرنے والا

ABDUL SOLUTIONS ABSOL PATNA

آپ نے پڑھا

- پرویز شاہدی کی زیر نصاب نظم 'ہم نوجوان ہیں' تکنیک کے لحاظ سے ایک جدید نظم ہے۔ اس نظم میں شاعر نے موجودہ عہد کے نوجوانوں کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔
- شباب کے زمانے میں نوجوانوں کے دل میں کیا کیا جذبات ابھرتے ہیں اور وہ معاشرے سے کیا چاہتا ہے ان تمام اندرونی کیفیات کو شاعر نے نہایت سلیقے کے ساتھ اس نظم میں سمونے کی کوشش کی ہے۔

- جس طرح بچے اپنے پسندیدہ چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے ضد کرتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جوانی کے جوش و جذبات میں انسان اس قدر بہنے لگتا ہے کہ ہر پسندیدہ چیز کو وہ بہر نوع حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
- یہ نظم شاعر پرویز شاہدی نے کلکتہ میں نوجوانوں کے ایک اجلاس میں پڑھا تھا۔ جس میں نوجوانوں کی معتدبہ تعداد موجود تھی۔ چنانچہ نوجوانوں کی کثرت کو دیکھ کر شاعر نے اس نظم میں نوجوانوں کے جذبات کی بھرپور ترجمانی کی ہے۔

مختصر ترین سوالات

1. پرویز شاہدی کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟
2. کتنے سال کی عمر میں پرویز شاہدی کے والدین اس دار فانی سے رخصت ہو گئے؟
3. پرویز شاہدی کی اہلیہ کا نام کیا تھا؟
4. پرویز شاہدی کے کسی دو شعری مجموعے کا نام لکھئے۔
5. تثلیث حیات کی اشاعت کب ہوئی؟

مختصر سوالات

1. پرویز شاہدی کی تصنیفات پر مختصر روشنی ڈالئے۔
2. پرویز شاہدی کی شاعری پر پانچ جملے لکھئے۔
3. زیر نصاب نظم 'ہم نوجوان ہیں' کے پہلے بند کی تشریح کیجئے۔
4. جدید نظم کے بارے میں مختصراً لکھئے۔
5. مخمس نظم کسے کہتے ہیں؟

طویل سوالات

1. پرویز شاہدی کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیجئے۔
2. زیر نصاب نظم 'ہم نوجوان ہیں' کا مرکزی خیال پیش کیجئے۔
1. جدید نظم کی ارتقائی تاریخ بیان کیجئے۔
2. خالی جگہوں کو بھر کر مصرعہ مکمل کیجئے:

بھیگی..... پھر کیف نمو..... مانگتی ہے

.....ذوق جام و سبو کا حق.....

آیئے، کچھ کریں

1. پرویز شاہدی کے شعری مجموعوں سے دس منتخب نظموں کی فہرست بنایئے۔
2. بہار کے اردو شعرا کے درمیان پرویز شاہدی کا مقام متعین کیجئے۔

ندا فاضلی

ندا فاضلی جدید دور کے مشہور شاعر ہیں۔ وہ گوالیار میں پیدا ہوئے۔ 65-1964 میں ان کے والد، والدہ اور بہنیں کراچی (پاکستان) میں جا بسے۔ ندا فاضلی طالب علمی کے دور سے گزر رہے تھے، اس لئے انہوں نے ہندوستان ہی میں رہنا پسند کیا۔ انہوں نے اردو اور ہندی مضامین میں ایم اے تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد وہ بمبئی آ گئے اور یہیں کے ہو رہے۔ پہلے تو انہوں نے صحافت کا پیشہ اختیار کیا اور اردو ہندی کے مختلف رسالوں سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد وہ نغمہ نگار اور مکالمہ نگار کی حیثیت سے فلمی صنعت سے وابستہ ہو گئے۔ لیکن ادب سے ان کا سروکار قائم رہا۔

ندا فاضلی نے غزلیں اور نظمیں بھی کہی ہیں اور دوہے بھی لکھے ہیں گویا ہر صنف میں انہوں نے شہرت حاصل کی۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے کمزور اور پس ماندہ طبقے کے مسائل کو اپنی تخلیقات میں ابھارا ہے۔ مختلف مذاہب اور عقیدوں کے تلمیحاتی اشاروں کو لفظوں میں پرو کر انہوں نے اپنی تخلیقی ذہانت کا ثبوت دیا ہے اور اپنے فنی تجربے کو انسانی زندگی کے عام تجربوں سے ہم آہنگ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ لفظوں کا پل، مور ناچ، آنکھ اور خواب کے درمیاں، کھویا ہوا سا کچھ، شہر میرے ساتھ چل، زندگی کی تڑپ ان کے شعری مجموعے ہیں۔

ندا فاضلی نے شاعری کے ساتھ نثر میں بھی تخلیقی اور تنقیدی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ان میں ملاقاتیں (تنقید)، دیواروں کے باہر (سوانحی ناول)، دیواروں کے بیچ (سوانحی ناول)، چہرے (خاکے)، دنیا مرے آگے (خاکا) وغیرہ شامل ہیں۔ سوانحی ناول اور خاکے ان کی قابلِ قدر تصنیفات میں شمار کئے جاتے ہیں۔

انہوں نے مغرب و مشرق کے کئی ممالک یو ایس اے، یو اے ای، جرمنی، بنگلہ دیش، پاکستان، انگلینڈ اور ماریشش وغیرہ میں ہندوستانی ادیبوں کی نمائندگی بھی کی ہے۔

ندا فاضلی کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ، شکھر سمان، غالب ایوارڈ اور خسرو ایوارڈ جیسے اعزازات سے بھی نوازا گیا ہے۔ ندا فاضلی بقیدِ حیات ہیں اور ان کا ادبی سفر جاری ہے۔

بجلی کا کھمبا

کئی سال گذرے
اسی رہگذر پہ
کسی پیڑ کی ٹھنڈی چھاؤں تلے میں
اندھیروں میں گم سم سا بیٹھا ہوا تھا

کئی اجنبی راہ گیروں نے مجھ کو
مرا نام لے لے کے آواز دی تھی
فضاؤں میں ہلچل سی ہونے لگی تھی
مگر دوست!
یہ بات ہے ان دنوں کی
یہاں—
کوئی بجلی کا کھمبا نہیں تھا
مگر چاند کا نور میلا نہیں تھا

نظم بہت آسان تھی پہلے

نظم بہت آسان تھی پہلے
گھر کے آگے
پیپل کی شاخوں سے اچھل کے
آتے جاتے
بچوں کے بستوں سے نکل کے
رنگ بہ رنگی
چڑیوں کی چہکاریوں میں ڈھل کے
جب میرے گھر میں آتی تھی
میرے قلم سے جلدی جلدی
خود کو پورا لکھ جاتی تھی
اب سب منظر بدل چکے ہیں
چھوٹے چھوٹے چوراہوں سے
چوڑے رستے نکل چکے ہیں
بڑے بڑے بازار
پرانے گلی محلے نگل چکے ہیں
نظم سے مجھ تک
اب میلوں لمبی دوری ہے

ان میلوں لمبی دوری میں
کہیں اچانک بم پھٹتے ہیں
کوکھ میں ماؤں کے سوتے بچے کٹتے ہیں
مذہب اور سیاست مل کر
نئے نئے نعرے رٹتے ہیں
بہت سے شہروں
بہت سے ملکوں سے اب ہو کر
نظم میرے گھر جب آتی ہے
اتنی زیادہ تھک جاتی ہے
میرے لکھنے کی ٹیبل پر
خالی کاغذ کو خالی ہی چھوڑ کے رخصت ہو جاتی ہے
اور کسی فٹ پاتھ پہ جا کر
شہر کے سب سے بوڑھے شہری کی پلکوں پر
آنسو بن کر سو جاتی ہے

لفظ و معنی

رہگذر - راستہ
اجنبی - انجان، پردیسی
راہ گیر - راستہ چلنے والا، مسافر
گم سم - خاموش، کھویا کھویا سا
فضا - ماحول
نور - روشنی

شاخوں - ڈالیاں

بستہ - تھیلا

رنگ بہ رنگی - طرح طرح کے رنگ

منظر - سماں

کوکھ - پیٹ

رخصت ہونا - الگ ہونا

چہکار - چڑیوں کی آواز

چوراہا - ایسا چوک جہاں سے چہار جانب راستہ نکلتا ہو

میل - لگ بھگ ڈیڑھ کیلومیٹر

آپ نے پڑھا

- جدید اردو نظم نگار شعراء میں جن لوگوں نے اعتبار حاصل کیا ہے اور اردو نظم پر اپنی چھاپ چھوڑی ہے، ان میں ایک ندا فاضلی بھی ہیں۔ جنہوں نے پابند نظمیں بھی لکھی ہیں اور آزاد و معریٰ نظمیں بھی لکھی ہیں۔ یعنی شعری روایات سے انحراف نہیں کیا ہے اور جدید بدلتے ہوئے تقاضوں کو نظر انداز بھی نہیں کیا ہے۔
- زیر نصاب پہلی نظم 'بجلی کا کھمبا' ندا فاضلی کی ایک آزاد نظم ہے۔ اس نظم میں شاعر نے سائنسی ایجادات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے کہ سائنسی ایجادات و ترقیوں کے نتیجہ میں معاشرے میں جو خرابیاں آئی ہیں ان میں بداخلاقی بھی ہے ان خامیوں کے تعلق سے شاعر نے بداخلاقی اور افراتفری کی طرف اشاروں میں لوگوں کو متوجہ کیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ایک اخلاقی نظم ہے۔
- دوسری نظم میں شاعر نے صنفِ نظم کے فنی عروج و زوال کو بیان کیا ہے۔ اشاراتی زبان استعمال کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے کہ ابتدا میں نظم کہنا نسبتاً زیادہ آسان تھا۔ ادب اپنے عہد کا آئینہ دار ہوتا ہے اور شاعری ادب کے اس آفاقی اصول سے اچھوتی نہیں ہے اسی لئے بدلتے ہوئے سیاسی حالات اور مذہبی شدت پسندی نے نظم کے آہنگ کو بھی رفتہ رفتہ بدل دیا ہے۔ آج کے بدلتے ہوئے معاشرتی قدروں اور سیاسی بے اصولی سے نظم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔ کیت کے لحاظ سے تو اردو شاعری میں نظموں کا اچھا خاصا سرمایہ موجود ہے اور عالمی سطح پر اسے مقبولیت بھی حاصل ہے لیکن فکر و خیال کے لحاظ سے صنف نظم دھیرے دھیرے کھوکھلی ہوتی جارہی ہے اور شاعر کی

زبان میں نظم پر ضعف و اضمحلال کی کیفیت طاری ہے۔

مختصر ترین سوالات

1. ندا فاضلی کہاں پیدا ہوئے؟
2. ندا فاضلی کو کون کون سے ایوارڈس ملے؟
3. ندا فاضلی نے مشرق و مغرب کے کن ملکوں میں ہندوستانی ادیبوں کی نمائندگی کی؟
4. ندا فاضلی کے تین شعری مجموعوں کے نام لکھئے۔
5. ندا فاضلی نے سماج کے کس طبقے کے مسائل کو اپنی نظموں میں ابھارا ہے؟

مختصر سوالات

1. ندا فاضلی کی شاعری کے بارے میں پانچ جملے لکھئے۔
2. نظم 'بجلی کا کھمبا' کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھئے۔
3. کوئی بجلی کا کھمبا نہیں تھا
   مگر چاند کا نور میلا نہیں تھا
   ان مصرعوں کی تشریح کیجیے۔

طویل سوالات

1. ندا فاضلی کن کن حیثیتوں سے فلمی صنعت سے وابستہ رہے؟
2. ندا فاضلی نے شاعری کی کس کس صنف میں طبع آزمائی کی ہے؟
3. ندا فاضلی کی شہرت و مقبولیت کی اصل وجہ پر روشنی ڈالئے۔
4. زیر نصاب نظم 'نظم بہت آسان تھی پہلے' کا مرکزی خیال تحریر کیجئے۔

آیئے، کچھ کریں

1. ندا فاضلی کے شعری اور نثری تخلیقات کی فہرست تیار کیجئے۔
2. اپنے استاد کی مدد سے جدید اردو نظم نگاروں کی ایک فہرست تیار کیجئے۔

سید محمد جعفری

اصل نام سید محمد جعفری ہے۔ اس نام سے مشہور بھی ہیں۔ 1905ء میں پیدا ہوئے۔ جائے پیدائش لاہور ہے۔ والد کا نام سید محمد علی جعفری تھا۔

سید محمد جعفری کی تعلیم و تربیت پھوپھی زاد بھائی سید محمد عبداللہ رضوی کے زیر سایہ ہوئی۔ یہ خود ہی شعبہ تعلیم و تدریس سے وابستہ تھے۔ ان کا شمار بھی اپنے وقت کے اعلیٰ تعلیم یافتہ صاحب کردار اساتذہ میں تھا۔

جعفری نے ابتدا میں عربی، فارسی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ 1922ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ پھر ریاضی، کیمیا اور طبیعات کا ہندی مضامین کے ساتھ بی ایس سی آنرز کی ڈگری لی۔ اس کے بعد آرٹس کی طرف متوجہ ہوئے اور فارسی میں ایم اے کرنے کے بعد انگریزی ادبیات میں ایم اے کی سند لی۔

سید محمد جعفری کو تصویر کشی، خطاطی اور مصوری سے بھی دل چسپی تھی۔ انہوں نے اس فن میں بھی مہارت حاصل کی۔ کالج آف آرٹس میں داخلہ لیا اور عبدالرحمٰن چغتائی اور فیروز الدین جیسے ماہرین فن سے کسب ہنر کیا۔

محکمہ اطلاعات کے اہم منصب پر فائز رہے۔ محکمہ کی طرف سے تہران بھی گئے۔ 1966ء میں سبکدوش ہوئے۔ 7/جنوری 1976ء کو سید محمد جعفری کا انتقال ہوا۔

'شوخی تحریر' سید محمد جعفری کی مزاحیہ شاعری کا مجموعہ ہے۔ جعفری کی زبان میں پختگی اور چاشنی بھی۔ عروض و وزن اور الفاظ و تراکیب پر بھی پورے اترتے ہیں۔

کھڑا ڈنر

کھڑا ڈنر ہے غریب الدیار کھاتے ہیں　　بنے ہوئے شترِ بے مہار کھاتے ہیں
اور اپنی میز پر ہوکر سوار کھاتے ہیں　　کچھ ایسی شان سے جیسے ادھار کھاتے ہیں
شکم غریب کی یوں فرسٹ ایڈ ہوتی ہے
ڈنر کے سائے میں فوجی پریڈ ہوتی ہے

کھڑے ہیں میز کنارے جو ایک پلیٹ لیے　　انہی نے کوفتے اپنے لیے لپیٹ لیے
اِدھر اُدھر کے جو کھانے تھے سب سمیٹ لیے　　کھڑا تھا پیچھے سو میں رہ گیا پلیٹ لیے
یہ میز ہوگئی خالی اب اور کیا ہوگا
'پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا'

تھی ایک مرغ کی ٹانگ اور رقیب لے بھاگا　　مرا نصیب بھی جاگا پہ دیر میں جاگا
کباب اٹھایا تو اس میں لپٹ گیا دھاگا　　ڈنر یہ کیا کہ نہ پیچھا ہے جس کا نے آگا
یہ کیا خبر تھی میں آیا تھا جب ڈنر کھانے
'حقیقتوں کو سنبھالے ہوئے ہوئے ہیں افسانے'

حقیقتوں کا نہ کہنا زمانہ سازی ہے　　یہ شخص دیکھنے میں بڑا نمازی ہے
یہی اڑائے گا مرغی جو موٹی تازی ہے　　ڈنر یہ کیا ہے یہ گھوڑ دوڑ کی سی بازی ہے
لگائی بھوک میں مہمیز جس نے پار ہوا
نہیں تو میری طرح سے ڈنر میں خوار ہوا

وہ ایک میز خواتین گرد صف آرا　　لبوں سے ان کے رواں گفتگو کا فوارہ
میں ایک گوشے میں سہما کھڑا ہوں بیچارہ　　کہ یہ ہٹیں تو اٹھاؤں میں نان کا پارہ
اسیرِ حلقۂ خوباں جو مرغ و ماہی ہیں
تو ہم شہیدِ ستم ہائے کم نگاہی ہیں

لفظ و معنی

ڈنر - رات کا کھانا

شترِ بے مہار - بے لگام اونٹ

شکم - پیٹ

رقیب - دشمن

نان - روٹی

ستم - ظلم

مہمیز - آگے بڑھانا، حرکت دینا

آپ نے پڑھا

- اس نظم میں شاعر نے اپنے مخصوص مزاحیہ انداز سے کھانا کھانے کی اس جدید وضع کو مزاح کا نشانہ بنایا ہے جسے انگریزی میں بوفے ڈنر کہا جاتا ہے۔ یہ طریقہ طعام مغرب کی تہذیب سے مستعار ہے اور حقیقت ہے کہ یہ ہماری مشرقی تہذیب کے لئے نامناسب ہے۔ لیکن عالمی سطح پر جس طرح مغربی تہذیب و معاشرت کے اثرات عام ہوتے جارہے ہیں اس کی لہر کھانے کی وضع اور اس کے طریقے پر پڑ چکی ہے۔ چنانچہ آج بوفے ڈنر کا طریقہ بھی ہمارے یہاں عام ہو چکا ہے۔ شاعر اس وضع کو اچھا نہیں سمجھتے۔ انہوں نے 'کھڑا ڈنر' کے عنوان سے نظم لکھ کر اس کا مذاق اڑایا ہے۔ پانچ بندوں کی اس نظم میں انہوں نے بوفے ڈنر میں منہمک شرکاء کی مختلف تصویریں پیش کی ہیں۔

معروضی سوالات

1. سید محمد جعفری کی سنہ پیدائش کیا ہے؟

(الف) 1905 (ب) 1904 (ج) 1906 (د) 1902

2. سید محمد جعفر کے والد کا نام کیا تھا؟

(الف) مرزا جعفری (ب) سید محمد علی جعفری (ج) سید غضنفر جعفری (د) سید محمد رمضان علی

3. سید محمد جعفری کہاں پیدا ہوئے؟

(الف) حیدرآباد (ب) لاہور (ج) دلی (د) علی گڑھ

4. سید محمد جعفری کے مجموعے کا نام کیا ہے؟

(الف) شوق تحریر (ب) نامۂ تحریر (ج) شوخی تحریر (د) پیام تحریر

5. درج ذیل شعرا میں مزاح کے شاعر کون ہیں؟

(الف) رمز عظیم آبادی (ب) دلاور فگار (ج) بیکل اتساہی (د) زبیر رضوی

مختصر سوالات

1. اس نظم کا تعلق کس صنف شاعری سے ہے؟
2. زیر نصاب نظم میں شاعر نے کھانے کے کس طریقہ کار کی طنز کا نشانہ بنایا ہے؟
3. اردو کے پانچ مزاحیہ شاعروں کے نام بتائیے۔
4. سید محمد جعفری کا مختصر تعارف پیش کیجئے۔

تفصیلی سوالات

1. سید محمد جعفری کی مزاحیہ شاعری پر دس جملے لکھئے۔
2. اردو کی مزاحیہ وطنزیہ شاعری سے متعلق آپ جو جانتے ہیں لکھئے۔
3. اسم معرفہ اور اسم نکرہ کی تعریف کیجیے اور مثالیں دیجئے۔

آیئے، کچھ کریں

1. اردو کے کسی ایک مزاحیہ شاعر کے پانچ اشعار لکھئے۔
2. اردو کے دو مزاحیہ شعری مجموعوں کے نام لکھئے۔

مرثیہ

مرثیہ عربی لفظ رثاء سے بنا ہے۔ جس کے معنی رونے اور ماتم کرنے کے ہیں۔ مرثیہ اردو شاعری کی ایک مقبول صنف ہے۔ جس نظم میں کسی مرنے والے کے اوصاف بیان کئے جائیں اور اس کی موت پر رنج وغم کا اظہار کیا جائے، شاعری کی اصطلاح میں مرثیہ کہلاتی ہے۔ اردو شاعری میں یہ صنف حضرت امام حسین اور شہدائے کربلا کی شہادت کے واقعات بیان کرنے اور رنج وغم کے اظہار کے لئے مخصوص ہوکر رہ گئی ہے۔ ان کے علاوہ باقی لوگوں کی موت پر اگر رنج وغم کا اظہار نظم کی صورت میں کیا جاتا ہے تو اسے شخصی مرثیہ کا نام دیا گیا ہے۔ مرنے والے کی خوبیوں کا ذکر کر کے اس پر افسوس کا اظہار کرنا مرثیہ کا بنیادی وصف ہے۔

چہرہ، رخصت، آمد، سراپا، رجز، جنگ، شہادت، بین اردو مرثیہ کے اجزائے ترکیبی ہیں۔

غالب

پورا نام اسد اللہ خاں اور مرزا نوشہ لقب تھا۔ نجم الدولہ دبیر الملک جنگ شاہی خطاب تھا۔ شاعری میں پہلے پہل اسد تخلص کیا کرتے تھے۔ بعد میں تخلص غالب رکھا۔ 1797ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبداللہ بیگ خاں تھے۔ غالب کے آباواجداد ایران سے آئے تھے۔ عبداللہ بیگ خاں آصف الدولہ کے عہد میں لکھنو آئے اور وہاں سے حیدر آباد گئے۔ اور حیدر آباد میں 1802ء میں ایک لڑائی میں مارے گئے۔ اس وقت غالب کی عمر پانچ سال کی تھی۔ غالب اپنے چچا نصر اللہ خاں کی سرپرستی میں پرورش پانے لگے۔ چچا کی موت کے بعد انہوں نے رام پور کا رخ کیا۔ لیکن وہاں بھی چین نصیب نہ ہوا اور واپس دلی چلے گئے جہاں انہوں نے 1869ء میں وفات پائی۔

غالب کی شاعری کے تعلق سے ڈاکٹر اعجاز حسین لکھتے ہیں:

'بڑے بڑے مضمون نہایت اختصار کے ساتھ ایک شعر میں نظم کر دیتے ہیں۔ ان کے کلام کی معنویت اور بلندی عام سطح سے بے حد بلند ہے۔ غالب کی سی ہموار غزلیں مشکل ہی سے کسی دیوان میں نظر آسکتی ہیں۔'

غالب درد وغم کی داستان نہایت موثر اور مختصر الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی فلسفیانہ کاوشوں اور جدت طرازی سے اردو ادب کو رفعت بخشی ہے۔ خیال کی پاکیزگی، اسلوب کی ندرت اور زبان کی شیرینی غالب کے کلام کا خاص وصف ہے۔

پیش نظر مرثیہ، مرزا غالب نے اپنے ایک قریبی عزیز عارف کی موت پر لکھا ہے۔

ABDIEL SOLUTIONS ABSOL PAT

عارف کی موت پر

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

مٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تم ماہِ شب چار دہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور

تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمھیں نفرت سہی نیر سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گزری نہ بہرحال یہ مدت خوش و ناخوش
کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

لفظ و معنی

ناصیہ - پیشانی
فلک - آسمان
پیر - بوڑھا، ضعیف
دہم - دس
داد و ستد - توصیفی کلمات
ناداں - بے وقوف، ناسمجھ

آپ نے پڑھا

- غزل کی ہیئت میں یہ رثائی نظم ہے۔ غالب نے یہ نظم اپنے رشتے کے بھانجے زین العابدین خاں عارف کی موت پر کہی تھی۔ جو نظم کسی کی موت پر کہی جاتی ہے اس کو رثائی نظم یا مرثیہ کہتے ہیں جس میں مرنے والے کی خوبیوں کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ اس کی موت کے غم کا اثر دوسروں پر پڑے۔ ایسی نظموں میں غم کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نظم میں بھی غالب نے اپنے جواں سال بھانجے کی موت پر غم کا اظہار کیا ہے۔

معروضی سوالات

1. غالب کا پورا نام کیا تھا؟

(الف) مجیب خاں (ب) اسد اللہ خاں (ج) نعمت اللہ خاں (د) عجائب خاں

2. غالب شاعری میں پہلے پہل کیا تخلص کرتے تھے؟

(الف) سرمد (ب) عبرت (ج) الفت (د) اسد

3. غالب کس سنہ میں پیدا ہوئے؟

(الف) 1798 (ب) 1799 (ج) 1797 (د) 1795

4. غالب کے آبا و اجداد کہاں سے ہندوستان آئے تھے؟

(الف) تہران سے (ب) عراق سے (ج) ایران سے (د) بغداد سے

5. غالب کا انتقال کس سنہ میں ہوا؟

(الف) 1858 (ب) 1856 (ج) 1855 (د) 1869

مختصر ترین سوالات

1. غزل کی ہیئت میں غالب کی اس نظم کو آپ کیا کہیں گے؟
2. غالب کی پرورش کس کے زیرِ سایہ ہوئی؟
3. غالب کا پورا نام لکھیے۔
4. غالب کے والد کا نام بتایئے۔

مختصر سوالات

1. صنف شاعری کی مختصر تعریف کیجئے۔
2. شخصی مرثیہ کسے کہتے ہیں؟
3. غالب کے بچپن پر پانچ جملے لکھئے۔

طویل سوالات

1. صنف مرثیہ سے اپنی تفصیلی واقفیت کا اظہار کیجئے۔
2. غالب کے حالات پر روشنی ڈالئے۔
3. غالب کی شاعری پر دس جملے لکھئے۔
4. واحد سے جمع بنائیے:

دن، فلک، بارش، شہید، رات

آیئے، کچھ کریں

1. کسی لائبریری سے کتابیں حاصل کر کے چند مرثیہ نگاروں کے مرثیے نقل کیجئے۔

مثنوی

مثنوی عربی لفظ ہے۔ لیکن اس صنف کو عرب میں زیادہ فروغ حاصل نہ ہوا۔ دراصل مثنوی فارسی کی دین ہے۔ وہاں اس صنف سے بڑا کام لیا گیا۔ فارسی مثنویوں کو اردو مثنویوں سے کہیں زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ شاہنامہ فردوسی، بوستان سعدی، سکندر نظامی اور مثنوی معنوی کسی دیوان سے کم اہم یا کم معروف نہیں۔ جبکہ اردو مثنویوں کو غزل جیسی بھی مقبولیت نہ نصیب ہو سکی۔

مثنوی کی تعریف کرتے ہوئے گیان چند لکھتے ہیں:

'مثنوی، نظم کا وہ پیکر ہے جس میں ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں۔ لیکن ہر شعر کے بعد قافیہ بدلتا جائے۔ دو دو ہم مصرعوں کی رعایت سے اس کا نام مثنوی طے پایا۔ کیونکہ مثنوی کے معنی ہیں 'دو دو کیا گیا' بنیادی طور پر مثنوی ایک ہیئت کا نام تھا لیکن روایت نے اس کے ہیولیٰ کا تعین بھی کر دیا۔ موضوع کے لحاظ سے جس طرح غزل، قصیدہ، ریختی، واسوخت اور مرثیہ وغیرہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں اسی طرح مثنوی کا نام لینے سے ہم ایک مخصوص احاطۂ فکر کا تصور کرتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ یہ احاطہ دوسری اصناف سے کہیں زیادہ وسیع بلکہ ہمہ گیر ہے۔'

اردو مثنوی نگاروں میں مرزا شوق لکھنوی، دیا شنکر نسیم، میر حسن، شوق نیموی، ملا وجہی اور غواصی قابل ذکر ہیں۔

شوق لکھنوی

اصل نام تصدق حسین خاں تھا اور شوق تخلص۔ شوق 1783ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد آغا علی خاں تھے جو نامور طبیب تھے۔ شوق کا خاندان طبیبوں کا خاندان تھا اور لکھنؤ میں مشہور تھا۔

نواب مرزا شوق نے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ سے تحصیل علم حاصل کیا اور مختلف علوم میں مہارت بہم پہنچائی۔ علم طب پر بھی دسترس حاصل تھی۔ اور طبابت کا خاندانی پیشہ اختیار کیا۔ واجد علی شاہ کے عہد حکومت میں شاہی معالج مقرر ہوئے۔ شوق لکھنوی کا انتقال 1871ء میں لکھنؤ میں ہوا۔

مرزا شوق نے شاعری کی ابتدا غزل سے کی۔ لیکن جلد ہی انہیں احساس ہوگیا کہ یہ ان کا میدان نہیں۔ چنانچہ غزل گوئی ترک کر کے مثنوی کی طرف مائل ہوئے۔ مثنوی میں شوق کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اردو شاعری میں وہ مثنوی نگار کی حیثیت ہی سے معروف ہیں۔ ان کی مثنویاں زہر عشق، بہار عشق اور فریب عشق کافی مقبول ہوئیں اور ان کی دائمی شہرت کا باعث بنیں۔ ان تینوں مثنویوں میں 'زہر عشق' کو سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔

زہرِ عشق

ایک قصہ عجیب لکھتا ہوں
داستان غریب لکھتا ہوں

تازہ اس طرح کی حکایت ہے
سننے والوں کو جس سے حیرت ہے

جس محلّہ میں تھا ہمارا گھر
وہیں رہتا تھا ایک سوداگر

مرد اشراف صاحب دولت
تاجروں میں کمال ذی عزت

غم نہ تھا کچھ فراغ بالی سے
تھا بہت خاندان عالی سے

ایک دختر تھی اس کی ماہ جبیں
شادی اس کی نہیں ہوئی تھی کہیں

ثانی رکھتی نہ تھی وہ صورت میں
غیرت حور تھی حقیقت میں

سبز محل گلِ جوانی تھا
حسنِ یوسف فقط کہانی تھا

اس سن و سال پر کمال خلیق
چال ڈھال انتہا کی نستعلیق

چشم بدور وہ حسین آنکھیں
رشک چشمِ غزال چین آنکھیں

تھا جو ماں باپ کو نظر کا ڈر
آنکھ بھر نہ دیکھتے تھے ادھر

تھی زمانہ میں بے عدیل و نظیر
خوش گلو، خوش جمال، خوش تقریر

تھا نہ اس شہر میں جواب اس کا
حسن لاکھوں میں انتخاب اس کا

شعر گوئی سے ذوق رہتا تھا
لکھنے پڑھنے سے شوق رہتا تھا

تھا یہ اس گل کا جامہ زیب بدن
سادی پوشاک پر تھے سو جوبن

نور آنکھوں کا دل کا چین تھی وہ
راحت جان والدین تھی وہ

ایک دن چرخ پر جو ابر آیا
کچھ اندھیرا سا ہر طرف چھایا

کھل گیا جب برس کے وہ بادل
قوس تب آسماں پر آئی نکل

ABDIEL SOLUTIONS ABSOL PATNA

دل مرا بیٹھے بیٹھے گھبرایا
سیر کرنے کو بام پر آیا

خفقاں دل کا جو بہلنے لگا
اس طرف اس طرف ٹہلنے لگا

دیکھا اک سمت جو اٹھا کے نظر
سامنے تھی وہ دخترِ سوداگر

ساتھ ہمجولیاں بھی تھیں دوچار
دیکھتی تھیں وہ آسماں کی بہار

بام سے کچھ اترتی جاتی تھیں
چہلیں آپس میں کرتی جاتی تھیں

رہ گئی جب اکیلی وہ گل رو
نگراں سیر کو ہوئی ہرسو

ہوئی میری جو اس کی چار نگاہ
منہ سے بے ساختہ نکل گئی آہ

حال دل کا کہا نہیں جاتا
خوب سنبھلا نہیں غش آجاتا

نہ ہوا گو کلام فی مابین
روح قالب میں ہوگئی بےچین

تیر الفت کا تھا لگا کاری
اشک بیساختہ ہوئے جاری

سامنے وہ کھڑی تھی ماہ منیر
چپ کھڑا تھا میں صورت تصویر

تاب نظارہ اتنی لا نہ سکا
کہ اشارہ سے بھی بلا نہ سکا

دیکھتا اس کو بار بار تھا میں
محوِ حسنِ جمالِ یار تھا میں

گو میں رو کے ہوئے ہزار رہا
دل پہ لیکن نہ اختیار رہا

اسی صورت سے ہوگئی جب شام
لائی پاس اس کے اک کنیز پیام

بیٹھی ناحق بھی ہولیں کھاتی ہیں
اماں جان آپ کو بلاتی ہیں

گیسو رخ پر ہمارے ملتے ہیں
چلئے اب دونوں وقت ملتے ہیں

لفظ و معنی

صاحب دولت ۔ دولت مند
فراغ بالی ۔ آسودہ حال
تاجر ۔ تجارت کرنے والا

عالی - بڑا
دختر - لڑکی، بیٹی
ثانی - دوسرا، مثال
ماہ جبیں - خوبصورت، چاند کی طرح پیشانی
نخل - پیڑ
گل - پھول
خلیق - ملنسار، خوش مزاج
نستعلیق - تہذیب
رشک - کسی کے برابر ہونے کی خواہش ہونا
چشم - آنکھ
غزال - ہرن
خوش گلو - اچھی آواز والا
خوش جمال - اچھی صورت والا، خوبصورت
پوشاک - لباس
راحت - اطمینان، خوشی
چرخ - آسمان
خفقاں - بے چین
قالب - دل
اشک - آنسو
کنیز - دائی
پیام - پیغام

آپ نے پڑھا

- مثنوی کے اس اقتباس میں قصہ شروع کرتے ہوئے مثنوی نگار نے ایک سوداگر کی لڑکی کا ذکر کیا ہے اور کئی اشعار میں اس کی داخلی اور خارجی خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔ سوداگر کا گھر مثنوی نگار کے پڑوس میں تھا۔ اس لئے وہ اس کی

دولت و ثروت سے واقف تھا اور اس سوداگر کی شرافت کا بھی۔ وہ ایک بڑا تاجر تھا۔ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی ایک لڑکی تھی جو نہایت حسین اور خلیق تھی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے کئی نعمتوں سے نوازا تھا۔ ان اشعار میں شاعر نے اس کا سراپا اتارنے کی کوشش کی ہے۔ ظاہری خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس مین کردار کی خوبیاں بھی تھیں حد یہ ہے کہ اسے شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔

- اس طرح کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے مثنوی نگار نے یہ بتایا ہے کہ ایک دن آسمان پر بادل چھایا ہوا تھا۔ موسم نہایت خوشگوار ہو گیا وہ تفریح کے لئے اپنے مکان کی چھت پر گیا تو اس نے دیکھا کہ سوداگر کی بیٹی بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ چھت پر محو گفتگو ہے۔ پھر اس کی سہیلیاں رخصت ہو گئیں اور وہ اکیلی رہ گئی۔ اتفاق سے ان دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور پہلی ہی نظر میں الفت کا تیر دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ اس قدر حسین تھی کہ اسے دیکھنے کی تاب نہیں تھی۔ رفتہ رفتہ شام ہو گئی اور اس خوبصورت لڑکی کی کنیز نے آکر اسے یہ پیام سنایا کہ اس کی ماں نے اسے بلایا ہے۔ غرض دیکھتے دیکھتے یہ سحر انگیز ماحول ختم ہو گیا۔

معروضی سوالات

1. مرزا شوق کا اصل نام کیا تھا؟

(الف) محمد حامد خاں (ب) تصدق حسین خاں (ج) آغا علی خاں (د) واجد علی خاں

2. مرزا شوق کی سنہ پیدائش کیا ہے؟

(الف) 1781 (ب) 1780 (ج) 1782 (د) 1783

3. مرزا شوق کا خاندانی پیشہ کیا تھا؟

(الف) سپہ گری کا (ب) طبابت کا (ج) وکالت کا (د) کچھ نہیں

4. مرزا شوق کا انتقال کب ہوا؟

(الف) 1871 (ب) 1870 (ج) 1869 (د) 1874

5. مرزا شوق کی مثنوی کا نام بتایئے۔

(الف) قطب مشتری (ب) پھول بن (ج) فریب عشق (د) سحر البیان

مختصر سوالات

1. زیر نصاب نظم شاعری کی کس صنف سے تعلق رکھتی ہے؟

2. صنف مثنوی سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے۔
3. مثنوی نگار نے شام کا نقشہ کس طرح پیش کیا ہے؟
4. مثنوی نگار نے سوداگر کی لڑکی کی آنکھوں کی مثال کس سے دی؟
5. مثنوی کا خلاصہ بیان کیجئے۔

طویل سوالات

1. مرزا شوق لکھنوی کے حالات مختصراً بیان کیجئے۔
2. مرزا شوق لکھنوی کی مثنوی نگاری پر چند سطریں لکھئے۔
3. اسم کی تعریف مع مثال کیجئے۔
4. ضد بتایئے۔

غریب، حسین، ارض، عزت، اعلیٰ

آیئے، کچھ کریں

1. استاد سے پوچھ کر پانچ مثنوی نگاروں کے نام لکھئے۔
2. شوق لکھنوی کی مکمل مثنوی 'زہر عشق' کا مطالعہ کیجئے

دیا شنکر نسیم

اصل نام دیا شنکر کول اور ان کے والد کا نام گنگا پرشاد کول تھا۔ یہ کشمیری پنڈت تھے۔ نسیم 1811ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی جائے پیدائش لکھنو ہے۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق نسیم کی ابتدائی تعلیم اردو اور فارسی میں ہوئی۔ ان کے خاندان میں یہی رائج تھا۔ یہ امجد علی شاہ کا زمانہ تھا۔ نسیم کے ساتھ عمر نے وفا نہ کی اور 1845ء میں انتقال کر گئے۔

ابتدا ہی سے انہیں شعر و شاعری سے لگاؤ تھا۔ آتش لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ اور اپنے استاد ہی کا رنگ اختیار کیا۔ نسیم کی شہرت کی وجہ گلزارِ نسیم ہے۔ یہ اردو کی اہم ترین مثنویوں میں ایک ہے۔ ان کی شاعرانہ پختگی کے لئے یہ کافی ہے کہ تقریباً دو صدیاں گزرنے کے بعد بھی مثنوی 'گلزارِ نسیم' کی مقبولیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔

دارالخلافتِ زین الملوک میں بکاؤلی کا پہنچنا اور وزیر ہوکر تاج الملوک کی تلاش میں رہنا

گلچیں کا جو اب پتا ملا ہے
یوں شاخِ قلم سے گل کھلا ہے

وہ بادِ چمن چمن خراماں
یعنی وہ بکاؤلی پریشاں

گلشن سے جو خاک اڑاتی آئی
اس شہر میں آتی آتی آئی

دیکھا تو خوشی کے چھپّے تھے
گلچیں کے شگوفے کھل رہے تھے

گلبانگ زناں تھا جو جہاں تھا
ایک ایک ہزار داستاں تھا

پاتے ہی پتا خوشی سے پھولی
شاد ایسی ہوئی کہ رنج بھولی

جادو سے بنی وہ آدمی زاد
انسانوں میں آ ملی وہ پری زاد

سلطان کی سواری آرہی تھی
صورت جو نگاہ کی پری تھی

پوچھا اے آدم پری رو
انسان ہے پری ہے کون ہے تو

کیا نام ہے وطن کدھر ہے
ہے کون سا گل چمن کدھر ہے

دی اس نے دعا کہا بصد سوز
فرخ ہوں شہا میں ابن فیروز

گل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں
غربت زدہ کیا وطن بتاؤں

گھر بار سے کیا فقیر کو کام
کیا لیجیے چھوڑے گاؤں کا نام

پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت
پوچھا کہ طلب کہا قناعت

باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ
لایا بصد امتیاز ہمراہ

چہرہ سے امیر زادہ پایا
گھر لاکے وزیر اسے بنایا

نذریں لیے درگاہِ بندگاں
دستور سے آ ملے بصد جاں

لفظ و معنی

گلچیں - پھول چننے والا، مالی

باد - ہوا

گلشن - باغ

گلبانگ - بلبل کی آواز، چہچہاہٹ

سلطان - بادشاہ

قناعت - توکل، تشفی

طلب - چاہت، مانگ

غربت - غریبی

آپ نے پڑھا

- اس اقتباس میں بکاؤلی کے آنے اور اس کے وزیر بننے کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ بادشاہ زین الملوک کے دربار میں پہنچ کر اپنی غیر معمولی اور سحر انگیز شخصیت کی وجہ سے وہ وزیر بن جاتی ہے اور پھر اپنے محبوب تاج الملوک کو تلاش کرتی ہے۔ یہاں بکاؤلی کی پریشانی کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ وہ جنگل بیابان اور اجنبی راہوں میں تاج الملوک کو تلاش کرتے کرتے جب بادشاہ زین الملوک کی مملکت میں داخل ہوتی ہے تو یہاں کا منظر ہی کچھ اور دیکھتی ہے۔ یہاں ہر طرف خوشی کے چہچہے تھے۔ باغ میں شگوفے کھل رہے تھے۔ اسے بتایا گیا تھا کہ وہ جسے تلاش کر رہی ہے وہ اسی جگہ موجود ہے۔ اس نے پری زاد ہونے کے باوجود اپنی ہیئت بدل لی اور ایک آدمی زاد کی طرح سلطان کی آتی ہوئی سواری کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ یہاں وہ مکالمہ بھی پیش کیا گیا ہے جو سلطان اور بکاؤلی کے درمیان ہوتا ہے۔ وہ اپنے کو ابن فیروز بتاتی ہے اور بادشاہ کو اس طرح متاثر کر دیتی ہے کہ وہ حقیقتاً اسے آدم زاد مرد سمجھ کر اپنے دربار میں وزیر مقرر کر لیتا ہے۔ اقتباس کے آخری حصے میں مکالمے کا جو کمال دکھلایا گیا ہے وہ اس حصے کی جان ہے۔

معروضی سوالات

1. نسیم کا پورا نام کیا تھا؟

(الف) ودیا شنکر نسیم (ب) روی شنکر (ج) دیا شنکر (د) کرشن شنکر

2. نسیم کہاں پیدا ہوئے؟

(الف) دہلی (ب) دکن (ج) لکھنو (د) پٹنہ

3. نسیم کی مثنوی کا نام کیا ہے؟

(الف) سحرالبیان (ب) گلزارِ نسیم (ج) بوستان خیال (د) زہرِ عشق

4. شاعری میں نسیم کس کے شاگرد تھے؟

(الف) غالب (ب) آتش (ج) ذوق (د) حالی

5. نسیم کا انتقال کب ہوا؟

(الف) 1843 (ب) 1845 (ج) 1846 (د) 1847

مختصر ترین سوالات

1. زیرِ نصاب مثنوی میں کس واقعہ کو نظم کیا گیا ہے؟
2. نسیم کا پورا نام کیا تھا؟
3. نسیم کی پیدائش کب ہوئی؟
4. نسیم کی مشہور مثنوی کا نام لکھئے۔
5. نسیم کے والد کا نام لکھئے۔

مختصر سوالات

1. صنفِ مثنوی پر پانچ جملے لکھئے۔
2. بکاؤلی اپنے محبوب کی تلاش کے لئے کیا کیا کرتی ہے؟
3. زین الملوک کی مملکت میں پہنچ کر بکاؤلی کو کیا محسوس ہوا؟
4. نسیم کی مختصر سوانح بیان کیجئے۔
5. بکاؤلی کے کردار پر پانچ جملے لکھئے۔

طویل سوالات

1. زیرِ نصاب مثنوی کا خلاصہ لکھئے۔

2. دیا شنکر نسیم کے حالات پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔
3. دیا شنکر نسیم کی گلزار نسیم کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

آیئے، کچھ کریں

1. زیر نصاب نظم (مثنوی) کے پانچ اشعار زبانی یاد کیجیے۔

غلام ہمدانی مصحفی

اصل نام غلام ہمدانی اور مصحفی تخلص رکھتے تھے۔ مصحفی کی پیدائش 1748ء میں امروہہ (یوپی) میں ہوئی۔ ان کے والد اکبر پور کے رہنے والے تھے جو امروہہ کے مضافات میں ایک قصبہ ہے۔ امروہہ میں مصحفی نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ شعرگوئی کا ذوق بھی اسی زمانے سے تھا۔ اسی زمانے سے وہ بعض شعری محفلوں میں بھی جاتے تھے۔ اسی دوران ان کی تعلیم بھی ہوتی رہی۔ امروہہ سے پھر بریلی چلے گئے۔ سن بلوغ میں آنولہ تشریف لائے۔ تکمیل تعلیم کے بعد ٹانڈہ گئے اور نواب محمد یار خان کے ملازم ہوئے۔ پھر لکھنو آ گئے۔ لکھنو سے دلی گئے۔ کچھ دنوں کے بعد دوبارہ لکھنو واپس آ گئے۔ یہاں شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کے ملازم ہوئے۔ مصحفی کے قیام لکھنو کے زمانے میں جرأت کی شہرت بہت زیادہ تھی۔ مصحفی بھی ایک قادرالکلام شاعر کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے اس لئے مصحفی اور جرأت کے درمیان انیس و دبیر کی طرح اکثر رقابت رہتی تھی۔

مصحفی کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ اردو فارسی کے علاوہ عربی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ فارسی اور اردو کے آٹھ دیوان ان کی یادگار ہیں شاعری میں قادرالکلامی ان کا وصف خاص تھی۔ لیکن وہ نثر سے بھی خاصی دلچسپی لیتے رہے۔ چنانچہ فارسی کے شعراء کے تذکرے کے علاوہ انہوں نے دو تذکرے اردو کے بھی قلم بند کئے۔

مصحفی شاعری کی کسی خاص صنف کے پابند نہیں تھے۔ انہوں نے غزلیں بھی کہی ہیں اور قصائد بھی۔ کئی مثنویاں بھی ان کی یادگار ہیں۔ مصحفی کے شاگردوں کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی۔ کئی تو بڑے نامور شاگرد ہوئے مثلاً میر ضمیر، میر خلیق، آتش لکھنوی اور اسیر وغیرہ۔

مصحفی کے کلام میں ملکی خصوصیات اور مقامی رنگ کے علاوہ حب وطن کا جذبہ خاص طور پر نمایاں ہے۔ مصحفی کی عشقیہ مثنویاں قابل لحاظ ہیں۔ ان میں مثنوی 'بحرالمحبت' مشہور ہے۔ دوسری مثنویاں مثلاً سردی، طفل حجام، اجوائن، غریب خانہ مصحفی، مودی خانہ اور کھٹمل نامہ وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ 1824ء میں مصحفی کا انتقال ہو گیا۔

جذبۂ عشق

خاک دہلی میں اک جوان حسین
صاحب وضع، صاحب تمکین
تھا شکار خدنگ کاری عشق
دل میں رکھتا تھا بے قراری عشق
رات دن اشک جاری رہتے تھے
اس کی چشموں سے چشمے ابلتے تھے
دل میں رکھتا تھا بس کہ پنہاں درد
گل سرخ اس کا ہوگیا تھا زرد
گرچہ تھا جوہری وہ پاک نژاد
عشق تھا اس میں جوہر فولاد
عاشق زار اپنی زن پر تھا
بلبل اس خانگی چمن پر تھا
نہ وہ زن تھی رقم جواہر کی
کیا کروں وصف حسن و زیور کی
رنگ کندن سا جو دمکتا تھا
جس میں جوبن پڑا چھلکتا تھا

دی تھی نازکی نے اس کو بہار
جس سے ہر عضو اس کا تھا گلزار

دیکھ کافر کی شوخی رفتار
دنگ رہتے تھے مردم بازار

دیکھ وہ اس کے گوہر دندان
تھا بہت اپنے کام میں حیران

گھر سے بازار تک اگر جاتا
دو قدم چل کر وہ وہیں پھر آتا

اس کے بن دیکھے رہ نہ سکتا تھا
رات دن اس کے منہ کو تکتا تھا

دل نہ لگتا تھا جبکہ اور کہیں
قبلہ کرتا تھا اس صنم کے تئیں

گاہ پاؤں پہ سر کو رکھتا تھا
گاہ چٹ بلائیں ہی لیتا

عشق کی طبع میں مدارا تھیں
گالی کیا دھولیں بھی گوارا تھیں

گاہ ناخوش تو گاہ خوش ہوتی
گاہ ہنستی تو گاہ پھر روتی

دن بہ دن چاہ بڑھتی جاتی تھی
مرگ دیکھ ان کو مسکراتی تھی

ABSOL SOLUTIONS PATNA

عیش و عشرت میں پا کے ان کے تئیں
کیا دونوں پہ چشم بدنے کمیں

زوجہ جوہری تھی نرم خرام
پہ لیتی تھی اس سے نرمی وام

حال اپنا سبھوں کو دکھلا کر
بستر عشق پہ گر پڑی جاکر

چشم بیمار اس کی ہو کے نزار
بن گئی اشک نرگس بیمار

اس کی ماں بہنیں اور ہمسائیں
دیکھ کر اس کو سخت گھبرائیں

کوئی بولی ہے اس کو دردِ جگر
کوئی بولی اسے لگی ہے نظر

بعد یک چند وہ زن بیمار
اسی حالت میں مرگئی یک بار

لفظ و معنی

آغاز - شروع
خاک - مٹی
وضع - طریقہ
تمکین - شان، وجاہت
بےقراری - بےچینی
اشک - آنسو
چشمہ - تالاب

پنہاں	-	چھپا ہوا
گل سرخ	-	لال پھول
زرد	-	پیلا
نژاد	-	نسل، خاندان
جوہر	-	ایٹم، ہیرا
فولاد	-	لوہا
زن	-	عورت
خانگی	-	گھریلو
وصف	-	خوبی، خصوصیت
کندن	-	چمکیلا، ہیرا
دمکتا	-	چمکتا ہوا
نازکی	-	نزاکت
عضو	-	حصہ
رفتار	-	چال
دنگ رہنا	-	حیرت میں پڑ جانا
مردم	-	لوگ
دندان	-	دانت
صنم	-	بت، محبوب
گاہ	-	کبھی
مرگ	-	موت
طبع	-	طبیعت
چشم بد	-	بری نظر

آپ نے پڑھا

- زیر نصاب مثنوی 'جذبۂ عشق' غلام ہمدانی مصحفی کی تصنیف ہے۔ چونکہ مثنوی طویل نظم کی ایک قسم ہے جس میں

رزمیہ اور بزمیہ دونوں طرح کی طویل داستانیں بیان ہوتی ہیں۔ اس میں بھی عشق و محبت کی داستان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

- مثنوی 'جذبۂ عشق' بھی اس زمرے کی مثنوی ہے۔ اس مثنوی میں دہلی کے ایک رئیس خاندان کے ایک نوجوان کے عشق و محبت کی کہانی ہے۔ اس داستان عشق کا ایک عجیب پہلو یہ ہے کہ وہ نوجوان اپنی بیوی پر ہی عاشق تھا۔ محبوب کے حسن و جمال اور اس کے اعضاء کی خصوصیات اس میں بیان کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے وہ عورت سخت بیمار ہو جاتی ہے۔ ہر طرح کا علاج کیا گیا مگر سب لاحاصل۔ اسی طرح صاحب فراموش رہ کر وہ چند دنوں کے بعد راہی ملک عدم ہوئی اور اپنے عاشق کو رونے اور غم فراق میں تڑپنے کے لئے چھوڑ گئی۔

مختصر ترین سوالات

1. مصحفی کا پورا نام کیا تھا؟
2. مصحفی کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟
3. مصحفی کی زیر نصاب مثنوی کا عنوان بتایئے۔

مختصر سوالات

1. مصحفی کی ابتدائی زندگی کا مختصر جائزہ لیجئے۔
2. صنف مثنوی پر پانچ جملے لکھئے۔
3. مصحفی کی شعری تخلیقات کو لکھئے۔

طویل سوالات

1. مثنوی کے آغاز و ارتقاء پر روشنی ڈالئے۔
2. مصحفی کی شاعرانہ خصوصیات بیان کیجئے۔

آیئے، کچھ کریں

1. اردو مثنوی کی ارتقائی تاریخ پر ایک مذاکرہ کیجئے۔
2. مصحفی کی زیر نصاب مثنوی 'جذبۂ عشق' کا خلاصہ پیش کیجئے۔

غزل

غزل عربی قصیدے کی تشبیب سے ماخوذ ہے۔ تشبیب کا تعلق شباب یعنی جوانی یا جوانی کے جذبات سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جوانی کے جذبات میں حسن و عشق کی کیفیات شامل ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے فارسی اور اردو غزلوں میں حسن و عشق کے جذبات کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ لیکن دور حاضر میں غزل ایک ایسی صنف سخن ہے جس میں حیات اور کائنات کے مختلف مسائل سمیٹے جاسکتے ہیں۔ یعنی غزل کے موضوعات اور مضامین کی کوئی قید نہیں رہ گئی ہے۔

غزل کی شکل یا ہیئت مقرر ہے۔ اس میں ابھی تک کسی طرح کی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ اس کا پہلا شعر، جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں، مطلع کہلاتا ہے۔ کسی کسی غزل میں ایک سے زیادہ مطلع ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں دوسرے مطلع کو مطلع ثانی یا حسن مطلع کہتے ہیں اور تیسرے مطلع کو مطلع ثالث کہا جاتا ہے۔ غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے مقطع کہلاتا ہے۔ لیکن بعض غزلیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں کبھی مطلع نہیں ہوتا تو کبھی مقطع نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود انہیں غزل ہی کہتے ہیں۔ البتہ ایسی غزلوں میں ایک طرح کی کمی کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض ایسی غزل بھی ہوتی ہے جس میں ردیف نہیں ہوتی۔ چنانچہ بغیر ردیف والی غزل کو غیر مردف غزل کہتے ہیں۔

دور حاضر میں مختلف ادبی اصناف میں کئی طرح کے تجربے کیے گئے ہیں۔ غزل جیسی نازک صنف میں بھی تجربے ہوئے ہیں اور آزاد غزلیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن جس طرح تمام تجربے کا کامیاب ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح ضروری نہیں تھا کہ آزاد غزل کا تجربہ بھی کامیاب ہوتا۔ اس لئے اب آزاد غزل کا تجربہ بھی ناکام ہو چکا ہے۔ یہ تجربہ ہیئتی تبدیلی کا تھا، کوشش کی گئی تھی کہ اس کی ہیئت یا شکل میں کسی قدر تبدیلی لائی جائے۔ اس تجربے کی ناکامی سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس کی ہیئت تبدیل نہیں کی جاسکتی لیکن اس کے موضوعات اب محدود نہیں رہے ہیں۔ پہلے بھی عاشقانہ، رندانہ، صوفیانہ اور عارفانہ خیالات کے اظہار کا وسیلہ غزل کو بنایا گیا تھا اور آج سائنسی، نفسیاتی اور دوسری قسموں کے موضوعات پر بھی غزلیں کہی جاتی ہیں۔

اردو غزل ولی دکنی سے پہلے بھی کہی جاتی تھی لیکن ولی نے اسے خاص معیار بخشا۔ جب ولی کے ذریعے غزل شمال میں پہنچی تو میر، مومن، غالب جیسے شعرا پیدا ہوئے۔ اس کے بعد اقبال فیض اور فراق نے بھی غزل گوئی کی روایت کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ غزل کے اشعار کی تعداد کا تعین بھی مشکل ہے۔ ویسے کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ سترہ یا انیس اشعار کی غزل ہونی چاہئے۔

مبارک عظیم آبادی

ڈاکٹر مبارک عظیم آبادی فدا حسین واثق کے بیٹے تھے جن کا تعلق بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں سے ہے۔ ان کی پیدائش 21 / اپریل 1869ء کو عصر کے وقت جمعہ کے دن تاج پور ضلع دربھنگہ میں ہوئی تھی۔ انہوں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی۔ مبارک عظیم آبادی بھی حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قدس سرہ سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ کے دست مبارک پر قادریہ سلسلے میں بیعت کا شرف رکھتے تھے۔ ان کا طریقہ صلح کل کا تھا۔ کسی دوسرے مذہب سے انہیں نہ تو کوئی تعرض تھا نہ تعصب۔

جب معاش کی فکر ہوئی تو طب کی طرف متوجہ ہوئے اور طب سے متعلق فارسی میں دو کتابیں لکھیں 'میزان الطب' اور 'طب الکبیر' لیکن جلد ہی طبیعت اچاٹ ہوگئی اور تب چھ سال تک ہیومیوپیتھی کی تعلیم حاصل کی اور اپنا مطب کھولا۔ مبارک حسین عظیم آبادی شمس العلماء امداد امام اثر کے بھانجی داماد تھے۔ مبارک کے والد فدا حسین واثق بھی شاعر تھے اور سید حسن حسرت کے شاگرد۔ ان کے مورث اعلیٰ ملا قاضی یار محمد کو 1085ء ہجری میں عہدۂ قضا یعنی منصفی کا عہدہ ملا۔ اس عہدے سے سبکدوش ہوئے تو اورنگ زیب کے چھوٹے بیٹے کی اتالیقی پر مامور ہوئے گویا مبارک ایک علمی، ادبی اور معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور شاعری انہیں وراثت میں ملی تھی۔ انہوں نے اردو ہی میں نہیں بلکہ فارسی میں بھی شاعری کی۔ فارسی میں وہ حکیم عبدالحمید پریشاں سے اصلاح لیتے تھے۔ جبکہ اردو میں وہ داغ دہلوی کے شاگرد ہوئے۔

مبارک عظیم آبادی نے ایک بار حیدر آباد دکن کا سفر بھی کیا تھا اور سر عبدالعزیز کے یہاں قیام فرما ہوئے تھے جو ان دنوں وہاں کے اہم وزیر تھے۔ مبارک کلکتے گئے تو انہوں نے وہاں وحشت سے ملاقات کی۔

مبارک عظیم آبادی 1892ء میں داغ کے شاگرد ہوئے اور داغ کے وصال (1905ء) تک ان سے اصلاح سخن لیتے رہے یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام پر داغ کا رنگ نمایاں ہے۔ اس رنگ کے علاوہ ان کے یہاں تصوف کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ انہوں نے رندانہ غزلیں بھی کہی ہیں اور شراب کے جام خوب خوب لنڈھائے ہیں۔

مبارک عظیم آبادی کے منتخب کلام کا مجموعہ 'جلوۂ داغ' کے نام سے 1951ء میں شائع ہوا۔ 1954ء میں حکومت ہند نے ان کی ادبی کارگزاریوں کا اعتراف کرتے ہوئے مبلغ 100 روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔

مبارک عظیم آبادی نے پٹنہ سیٹی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے لمبی عمر پائی۔ ان کا انتقال 12 / دسمبر 1958ء کو ہوا۔ یعنی وہ تقریباً 90 برسوں تک زندہ رہے جن میں 70 برس شعر و شاعری میں گزاری۔

غزلیں

مبارک عظیم آبادی

(۱)

ساعتیں گزریں جو غفلت میں سمجھ لے کھو گئیں — پھر کے آنے کی نہیں نادان گھڑیاں جو گئیں
کیا کہیں کیا کیا کیا تیری نگاہوں نے سلوک — دل میں آئیں دل میں ٹھہریں دل میں کانٹے بو گئیں
گھر شب وعدہ مرا ماتم سرا سے کم نہ تھا — تم نہ آئے حسرتیں آ آ کے مجھ کو رو گئیں
سوزِ دل سے اشک آنکھوں میں توے کی بوند ہے
اور وہ یوں طعنہ زن ساون کی جھڑیاں ہو گئیں

(۲)

گر گئے افسوس کس کس کی نظر سے کیا کہیں — ہم ہوئے کیا کیا مخل اس چشم تر سے کیا کہیں
یوں بھی کہتا ہے کسی سے کوئی اپنا حالِ زار — آپ تو سنتے نہیں دیوار و در سے کیا کہیں
سن رہے ہیں ناصحِ نافہم کی ہم دم بخود — کہہ رہا ہے ہم سے کیا اس بے خبر سے کیا کہیں
دردمندانِ محبت کا یہ کیا جانیں علاج — چارہ گر کی کیا سنیں ہم چارہ گر سے کیا کہیں
ہر قدم پر خوش جمالوں میں مبارک ہم لٹے
کیسی کیسی صورتیں گزریں نظر سے کیا کہیں

لفظ و معنی

ساعت - وقت
غفلت - بے خیالی، بے پروائی، بھول چوک، غلطی
گھڑی - لمحہ، پل
سلوک - برتاؤ
شب - رات
ماتم سرا - ماتم خانہ، عزا خانہ، وہ گھر جو رونے یا ماتم کرنے کے لئے مخصوص ہو
حسرت - کسی چیز کے نہ ملنے کا ملال
سوز - جلن
بوند - قطرہ
طعنہ - طنز، آوازہ
طعنہ زن - طنز کرنے والا، آوازہ کسنے والا
آرزو - تمنا، خواہش، ارمان
بو - مہک
جستجو - تلاش، کھوج
پا، پائے - پیر، پاؤں
گفتگو - بات، بات چیت
نشاط - خوشی، شادمانی، فرحت
خوب رو - خوبصورت، اچھی صورت والا

آپ نے پڑھا

- مبارک عظیم آبادی کی شاملِ نصاب دو غزلوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ وہ قدیم وضع کے شاعر ہیں اور ان کا شعری انداز بھی روایتی ہی ہے۔ حسن و عشق کی مختلف کیفیات کو انہوں نے بڑی شوخی اور بے باکی کے ساتھ شعری پیکر عطا کیا ہے۔ ان کا یہ کلام جملہ شعری محاسن سے مزین ہے۔ انداز بیان سادہ مگر اثر انگیز ہے۔ زبان

صاف، سادہ، سہل اور عام فہم ہے۔ ژولیدہ بیانی نہیں بلکہ شعر میں سلاست اور روانی ہے۔ خیالات کا ذریعۂ ترسیل ایسا ہے کہ بات شاعر کے دل سے نکلتی ہے اور قاری کے دل میں جا کر بیٹھ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ان اشعار کو دیکھئے:

سوز دل سے اشک آنکھوں میں توے کی بوند ہے
اور وہ یوں طعنہ زن ساون کی جھڑیاں ہوگئیں

یوں بھی کہتا ہے کسی سے کوئی اپنا حال زار
آپ تو سنتے نہیں دیوار و در سے کیا کہیں

مختصر ترین سوالات

1. مبارک عظیم آبادی کہاں پیدا ہوئے؟
2. مبارک عظیم آبادی کا سال پیدائش کیا ہے؟
3. مبارک عظیم آبادی کا انتقال کب ہوا؟
4. مبارک عظیم آبادی کے والد کا نام کیا تھا؟
5. اردو شاعری میں مبارک عظیم آبادی کے استاد کون تھے؟
6. فارسی شاعری میں مبارک عظیم آبادی کے استاد کون تھے؟
7. مبارک عظیم آبادی کے شعری مجموعہ کا نام کیا ہے؟
8. مبارک عظیم آبادی کا شعری مجموعہ کب شائع ہوا؟
9. حکومت ہند نے مبارک عظیم آبادی کی ادبی کارگزاریوں کا اعتراف کب کیا؟
10. حکومت ہند نے مبارک عظیم آبادی کی ادبی کارگزاریوں کا اعتراف کرتے ہوئے کتنا وظیفہ مقرر کیا؟

مختصر سوالات

1. مبارک عظیم آبادی نے حیدرآباد دکن کے سفر میں کس سے ملاقات کی اور کس کے یہاں قیام فرما ہوئے؟
2. مبارک عظیم آبادی نے کس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی؟
3. علم طب پر مبارک عظیم آبادی نے جو کتابیں لکھیں، ان کے نام لکھئے۔

4. دونوں غزلوں کے قافیوں کی پہچان کیجئے اور کس غزل میں کتنے قافیے ہیں ان کی تعداد الگ کیجئے۔

طویل سوالات

1. مبارک عظیم آبادی کی شاعری پر کس کا رنگ نمایاں ہے؟
2. مبارک عظیم آبادی کے کلام میں داغ کے رنگ کے علاوہ اور کون کون سے رنگ نمایاں ہیں؟
3. مبارک عظیم آبادی کے کلام کی خصوصیات قلم بند کیجئے۔
4. نصاب میں شامل مبارک عظیم آبادی کی کسی ایک غزل کے ادبی محاسن قلم بند کیجئے۔
5. درج ذیل سابقے اور لاحقے سے نئے الفاظ بنائیے:

مند، کار، زار، بے، اہل

آیئے، کچھ کریں

1. مبارک عظیم آبادی کی کسی ایک غزل کو زبانی یاد کیجئے۔

احمد فراز

احمد فراز کی پیدائش 1933 میں پشاور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ان کا گھریلو ماحول ادبی اور شاعرانہ تھا، اسی ماحول میں انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں اور کم عمری میں ہی شعروشاعری کی طرف مائل ہو گئے۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی وہ شعر کہنے لگے تھے اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری دور تک جاری رہا۔ ان کی ادبی اور شعری خدمات قابل قدر ہیں جس کا اعتراف کرتے ہوئے کراچی یونی ورسٹی نے انہیں ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری سے نوازا۔ انہوں نے چند رسالوں کی ادارت بھی کی۔ ماہنامہ 'اشتیاق' اور 'داستان' اور ہفتہ وار 'خادم' بھی ان کی ادارت میں شائع ہوئے۔

احمد فراز کئی اہم عہدوں پر بھی فائز رہے۔ مثلاً وہ پشاور یونی ورسٹی میں لکچرر بھی ہوئے۔ ڈائرکٹر جنرل آف لیٹریچرز بھی رہے اور نیشنل بک فاؤنڈیشن، پاکستان کے مینجنگ ڈائرکٹر بھی بنے۔

احمد فراز پاکستان کے بے حد مقبول شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی شہرت پاکستان سے باہر بھی دور دور ممالک میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دوسرے ملکوں کے مشاعرے میں بھی بلائے جاتے رہے تھے۔ حال ہی میں اپنی موت سے ذرا پہلے 2009 میں وہ دربھنگہ (بہار) کے مشاعرے میں بھی تشریف لائے تھے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ وہ اردو کے عالمی شہرت یافتہ شاعر تھے۔ ان کی شہرت و مقبولیت میں غزل گائکوں نے بھی چار چاند لگایا۔ ان سب باتوں سے ان کی کافی حوصلہ افزائی ہوئی۔ چنانچہ ان کی شاعری کا سفر کہیں رکا نہیں اور ان کے بارہ مجموعے شائع ہوئے جو حسب ذیل ہیں:

تنہا تنہا، درد آشوب، نایافت، شب خون، میرے خواب ریزہ ریزہ، جاناں جاناں، بے آواز گلی کوچوں میں، نابینا شہر میں آئینہ، سب آوازیں میری ہیں، پس انداز موسم، خواب گل پریشاں ہے، غزل بہانہ کروں۔ واضح ہو کہ 1987 میں یونی ورسٹی العین نے احمد فراز کے کلام کو 'اثاثہ' کے نام سے چار جلدوں میں شائع کیا۔

احمد فراز بنیادی طور پر رومانی مزاج کے شاعر ہیں۔ وہ عورتوں کے حسن و جمال سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ حسن و عشق ان کی شاعری کے محور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری عوامی حلقے میں بے حد مقبول ہوئی۔ سہل ممتنع میں شعر کہنا اور اس انداز سے کہنا کہ عوام وخواص کے دلوں میں وہ اپنی جگہ بنالے، ایک بڑی بات ہے، یہ کام احمد فراز نے بہت ہی آسانی کے ساتھ کیا ہے۔ ان کی بہت سی غزلیں عام انداز کی ہونے کے باوجود عوام پسند ہیں اور ساتھ ہی ساتھ خواص پسند بھی۔ اسی لئے ہر خاص و عام میں وہ بے حد مقبول ہیں۔

احمد فراز

(۱)

دولتِ درد کو دنیا سے چھپا کر رکھنا
آنکھ میں بوند نہ ہو دل میں سمندر رکھنا

کل گئے گزرے زمانوں کا خیال آئے گا
آج اتنا بھی نہ راتوں کو منوّر رکھنا

اپنی آشفتہ مزاجی پہ ہنسی آتی ہے
دشمنی سنگ سے اور کانچ کا پیکر رکھنا

آس کب دل کو نہیں تھی ترے آجانے کی
پر نہ ایسی کہ قدم گھر سے نہ باہر رکھنا

ذکر اس کا سہی بزم میں بیٹھے ہو فراز
درد کیسا ہی اٹھے ہاتھ نہ دل پر رکھنا

(۲)

تیرے ہوتے ہوئے محفل میں جلاتے ہیں چراغ
لوگ کیا سادہ ہیں سورج کو دکھاتے ہیں چراغ

اپنی محرومی کے احساس سے شرمندہ ہیں
خود نہیں رکھتے تو اوروں کے بجھاتے ہیں چراغ

بستیاں دور ہوئی جاتی ہیں رفتہ رفتہ
دمبدم آنکھوں سے چھپتے چلے جاتے ہیں چراغ

کیا خبر ان کو کہ دامن بھی بھڑک اٹھتے ہیں
جو زمانے کی ہواؤں سے بچاتے ہیں چراغ

گو سیہ بخت ہیں ہم لوگ پہ روشن ہے ضمیر
خود اندھیرے میں ہیں دنیا کو دکھاتے ہیں چراغ

بستیاں چاند ستاروں کی بسانے والو
کرۂ ارض پہ بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ

ایسے بے درد ہوئے ہم بھی کہ اب گلشن پر
برق گرتی ہے تو زنداں میں جلاتے ہیں چراغ

ایسی تاریکیاں آنکھوں میں بسی ہیں کہ فراز
رات تو رات ہے ہم دن کو جلاتے ہیں چراغ

لفظ و معنی

دولت درد	۔	درد کی دولت
منور	۔	روشن
آشفتہ	۔	منتشر، بکھرا ہوا
سنگ	۔	پتھر
کانچ	۔	شیشہ
پیکر	۔	ڈھانچہ، ہیولیٰ
آس	۔	امید
بزم	۔	محفل
چراغ	۔	دیا
محرومی	۔	مایوسی
رفتہ رفتہ	۔	دھیرے دھیرے
دم بہ دم	۔	لگاتار، سلسلہ وار
سیہ	۔	کالا، اندھیرا، تاریک
بخت	۔	مقدر، تقدیر، قسمت
سیہ بخت	۔	بدقسمت، بدنصیب
ضمیر	۔	روح، دل
کرہ	۔	سیارہ
ارض	۔	زمین
گلشن	۔	چمن، پھلواری
برق	۔	بجلی
زنداں	۔	قید خانہ، جیل
تاریکی	۔	اندھیرا

آپ نے پڑھا

- آپ نے احمد فراز کی دو غزلیں پڑھیں۔ پہلی غزل پانچ جبکہ دوسری غزل آٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ دونوں غزلیں بہت خوب ہیں اور اپنے دامن میں غزل کے تمام محاسن سمیٹے ہوئی ہیں۔ حسن و عشق کی مختلف کیفیات کو نہایت ہی سادگی کے ساتھ مگر پرتاثیر انداز میں شعری پیکر عطا کیا گیا ہے۔
- ان غزلوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی اجاگر ہوتی ہے کہ احمد فراز بنیادی طور پر رومانی مزاج کے شاعر ہیں اور ان کی شاعری کا محور روایتی حسن و عشق ہی ہے۔ اشعار میں کوئی لفظی ثقالت نہیں یہ بالکل آسان، سہل اور عام فہم ہیں اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ احمد فراز عوام پسند شاعر بھی ہیں۔ انہیں الفاظ کے حسن استعمال کا ہنر اچھی طرح معلوم ہے۔ یہ ہنر سب کے بس کی بات نہیں۔ اور یہی وہ خوبی ہے جو انہیں دیگر غزل گو شعرا سے ممیز و ممتاز کرتی ہے۔

مختصر ترین سوالات

1. احمد فراز کی پیدائش کب ہوئی؟
2. احمد فراز کہاں پیدا ہوئے؟
3. احمد فراز کس یونی ورسٹی میں لکچرر ہوئے؟
4. احمد فراز کس ادارہ کے مینجنگ ڈائرکٹر ہوئے؟
5. اپنی موت سے کچھ ہی دنوں پہلے وہ بہار کے کس صوبے کے مشاعرے میں تشریف لائے تھے؟
6. احمد فراز کی شاعری کے کتنے مجموعے شائع ہوئے؟

مختصر سوالات

1. احمد فراز بنیادی طور پر کس مزاج کے شاعر ہیں؟
2. احمد فراز کی شاعری کا اصل محور کیا ہے؟
3. احمد فراز کی شاعری کس کس حلقے میں مقبول ہوئی؟
4. احمد فراز کی ادارت میں کون کون سے ماہنامے اور ہفتہ وار شائع ہوئے؟
5. اردو غزل کی روایت میں آزاد غزل کا تجربہ کیسا رہا؟

6. غزل عربی کی کس صنف سے ماخوذ ہے؟
7. جس غزل میں ردیف نہ ہو اس غزل کو کیا کہتے ہیں؟
8. دکن کے کس شاعر کے ذریعہ اردو غزل شمال تک پہنچی؟
9. غزل کے پہلے شعر کو کیا کہتے ہیں؟
10. غزل کے آخری شعر کو کیا کہتے ہیں؟

طویل سوالات

1. احمد فراز کے حالات زندگی پر روشنی ڈالئے۔
2. احمد فراز کی زیر نصاب غزل کے پہلے اور آخری شعر کی تشریح کیجئے۔
3. صنفِ غزل سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے۔
4. درج ذیل الفاظ کی ضد بتایئے:

   حق، نشیب، ظلم، کثرت، زیاں

آیئے، کچھ کریں

1. احمد فراز کے مجموعوں کی فہرست تیار کیجئے۔
2. احمد فراز کی ادارت میں شائع شدہ ماہنامے اور ہفتہ وار کی فہرست مرتب کیجئے۔

حسن نعیم

حسن نعیم کا اصل نام سید حسن تھا لیکن وہ حسن نعیم کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ 6/جنوری 1924ء کو پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ حسن نعیم ایک ذی وقار خاندان کے فرد تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم کے واسطے سے حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے۔ گھر میں رئیسی اور زمینداری تھی لیکن وہ قائم نہ رہ سکی۔ انہوں نے اعلیٰ درجے کی ملازمت حاصل کی۔ وہ ہندوستان کے وزارت خارجہ سے وابستہ تھے لیکن ایک موقع پر کسی وجہ سے ملازمت سے مستعفی ہوگئے۔ ملازمت گئی تو مالی حالت خراب ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی زمین جائداد فروخت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ وہ غالب انسٹی ٹیوٹ، دلی کے ڈائرکٹر ہوئے لیکن اپنی نازک مزاجی کی وجہ سے اس نوکری سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ آخری وقتوں میں حالات بہت ہی پریشان کن ہوگئے تھے۔ صحت بھی خراب رہنے لگی۔ غربت اور افلاس کی وجہ سے صحیح ڈھنگ سے ان کا علاج بھی نہیں ہوسکا۔ ایسے ہی حالات میں ممبئی کے کسی کونے میں ان کا انتقال 22/فروری 1991ء کو ہوا۔

حسن نعیم نے ابتدا میں فنی اور عروضی نکات فصیح الدین بلخی سے سیکھے تھے۔ اور بعض دوسرے بزرگوں نے بھی شاعری کے باب میں ان کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ جن میں بسمل عظیم آبادی، جمیل مظہری اور معین احسن جذبی قابل ذکر ہیں۔

حسن نعیم نے کلاسیکی شاعری کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان کی غزلوں کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ مومن اور غالب سے بھی متاثر ہوئے تھے۔ لیکن وہ تقلید پسند نہ تھے، اس لئے انہوں نے اپنی راہ سب سے الگ نکالی۔ وہ نئی غزل کے ایک ایسے شاعر تھے جو جدیدیت کی رسم سے واقف تھے لیکن ان کے لہجے میں اکثر احتجاج کا رنگ بھی شامل ہوجاتا تھا۔ اس کے باوجود دردمندی اور حسن و عشق کی کیفیت بھی اکثر ظاہر ہوتی رہی جو کلاسیکی شاعری کی جان سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ ان کی شاعری کئی رنگوں سے مل کر ایک خاص رنگ اختیار کرلیتی ہے جو انہیں جدید شاعروں کے درمیان انفرادیت عطا کرتی ہے۔

حسن نعیم

(۱)

قلب و جاں میں حسن کی گہرائیاں رہ جائیں گی
تو وہ سورج ہے تیری پرچھائیاں رہ جائیں گی

اہل دل کو یاد صدیوں آئے گا میرا جنوں
شہرتیں ہوں گی فنا رسوائیاں رہ جائیں گی

گفتگو تجھ سے کریں گی میری غزلیں صبح و شام
تیری خلوت میں میری تنہائیاں رہ جائیں گی

میں نکل جاؤں گا اپنی جستجو میں ایک دن
بزمِ یاراں میں خیال آرائیاں رہ جائیں گی

دور تک کوئی نہ ہوگا نغمہ سنجوں میں نعیم
بس چمن میں یاد کی پُروائیاں رہ جائیں گی

(۲)

فسانہ غم کا کوئی غم گسار ہو تو کہیں
کہانی دل کی کوئی دل فگار ہو تو کہیں

وہاں یقین کہ خود ہی کہیں گے حرف جنوں
یہاں یہ فکر فضا سازگار ہو تو کہیں

جنوں کی کون سی منزل میں مل رہا ہے سکوں
ہماری طرح کوئی بے قرار ہو تو کہیں

کہیں فسانۂ ہجراں بہ ربطِ ذکرِ وفا
کسی کا اب نہ تمہیں انتظار ہو تو کہیں

اسی میں چھیڑا نہ ہم نے فسانۂ شبِ غم
کہ ان کی شام بھی کچھ سوگوار ہو تو کہیں

وہ مسکرائے کہ برہم ہوئے گذارش پر
جو اپنی آنکھوں پہ کچھ اعتبار ہو تو کہیں

کہانی دورِ جنوں کی کہیں تو کس سے نعیم
جہاں میں ہم سا کوئی غم شعار ہو تو کہیں

لفظ و معنی

جنون ۔ دیوانگی، دیوانہ پن
صدی ۔ سو سال کی مدت
رسوائی ۔ بدنامی
خلوت ۔ تنہائی
جستجو ۔ تلاش
نغمہ سنج ۔ گانے والا، گنگنانے والا
غم گسار ۔ غم خوار، ہمدرد، دوست
دل فگار ۔ زخمی دل والا
فضا ۔ ماحول
ہجراں ۔ جدائی، فراق
ربط ۔ تعلق
برہم ۔ ناراض
غم شعار ۔ غم کو سمجھنے والا
سازگار ۔ موافق، حسبِ حال

آپ نے پڑھا

- پانچ اشعار پر مشتمل اس غزل میں مایوسی اور محرومی کے احساس کی جھلک ملتی ہے۔ مثلاً دوسرے شعر میں شاعر یہ کہتا ہے کہ سیکڑوں برسوں کے بعد بھی میرا دیوانہ پن دل والوں کو یاد آتا رہے گا۔ لیکن میری نیک نامیاں مٹ جائیں گی اور بدنامیاں موجود رہیں گی۔ یعنی میری شہرت کی وجہ میری اچھائی نہیں، برائی ہی رہے گی۔ اس طرح اس شعر میں مایوسی کے احساس کی جھلک ملتی ہے۔
- یہ غزل سات اشعار پر مشتمل ہے۔ اس غزل کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنا دکھ درد یا اپنا حال کسی دوسرے سے بیان کرتا ہے تو اس کے لئے وقت اور ماحول بھی سازگار ہونا چاہئے۔ دوسری اہم بات یہ بھی ہے کہ کسی کے دکھ درد کا احساس صحیح طور پر اسی کو ہوسکتا ہے جو خود بھی اسی دکھ درد سے گزرا ہو۔ چنانچہ مقطع میں شاعر کہتا ہے کہ دیوانہ پن کے زمانے کی کہانی کس سے کہیں؟ البتہ اس دنیا میں اگر کوئی ہمارے جیسا ہی غم کا مارا اور

غم کا سمجھنے والا ہو تو کہہ سکتے ہیں۔

مختصر ترین سوالات

1. حسن نعیم کی پیدائش کہاں ہوئی؟
2. حسن نعیم کا انتقال کب اور کہاں ہوا؟
3. حسن نعیم کس ملازمت سے مستعفی ہوئے؟
4. حسن نعیم کس ادارہ میں ڈائرکٹر کے عہدہ پر مامور تھے؟

مختصر سوالات

1. حسن نعیم کی غزل گوئی کی خصوصیات مختصراً بیان کیجئے۔
2. ان اشعار کی تشریح کیجئے:

قلب و جاں میں حسن کی گہرائیاں رہ جائیں گی
تو وہ سورج ہے تیری پرچھائیاں رہ جائیں گی
فسانہ غم کا کوئی غم گسار ہو تو کہیں
کہانی دل کی کوئی دل فگار ہو تو کہیں

طویل سوالات

1. حسن نعیم کی غزلوں کا عام رنگ کیا ہے؟
2. حسن نعیم کی کن بزرگ شعراء نے حوصلہ افزائی کی؟
3. حسن نعیم کن شعراء سے خاص طور پر متاثر تھے؟
4. حسن نعیم کو جدید شاعروں میں کیوں انفرادیت حاصل ہے؟

آیئے، کچھ کریں

1. حسن نعیم کی کسی ایک پسندیدہ غزل کو زبانی یاد کیجئے۔
2. حسن نعیم کی غزل گوئی کے بارے میں اپنے دوستوں کے ساتھ تبادلۂ خیال کیجئے۔

پروین شاکر

پروین شاکر 24 نومبر 1952ء کو کراچی (پاکستان) میں پیدا ہوئیں۔ ویسے ان کے اسلاف کا وطن ہندوستان کے لہر یا سرائے، دربھنگہ (بہار) میں تھا۔ ان کے والد سید ثاقب حسین خود بھی شاعر تھے اور شاکر تخلص کرتے تھے۔ اسی نسبت سے پروین اپنے نام کے ساتھ شاکر لکھتی تھیں۔ ہندوستان کے بٹوارے کے بعد ان کے والد پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔

پروین شاکر کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ اس کے بعد رضیہ گرلس ہائی اسکول میں ان کا داخلہ ہوا۔ جہاں سے انہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بی اے کی ڈگری انہوں نے سرسید گرلس کالج سے حاصل کی۔ کراچی یونی ورسٹی سے انگریزی میں ایم اے کیا۔ پھر لسانیات میں بھی ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور دونوں ہی امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ 1971ء میں انہوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کر لی۔ ان کے تحقیقی مقالے کا عنوان 'جنگ میں ذرائع وابلاغ کا کردار' تھا۔ لیکن ان کا تعلیمی سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوا۔ وہ ہارورڈ یونی ورسٹی، امریکہ سے وابستہ ہوگئیں جہاں سے انہوں نے بینک ایڈمنسٹریشن میں ایم اے کیا۔ تعلیمی سلسلہ ختم ہوا تو پروین شاکر نے عبداللہ گرلس کالج میں انگریزی لکچرر کی حیثیت سے ملازمت کر لی اور تقریباً 9/ برسوں تک درس وتدریس کی خدمات انجام دیتی رہیں۔ اس کے بعد انہوں نے سول سروس کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئیں۔ اس کے بعد ان کا تقرر محکمہ کسٹمز میں ہوگیا اور وہ کسٹم کلکٹر ہوگئیں۔ اس عہدے سے ترقی کرتے ہوئے پرنسپل سکریٹری پھر سی بی آر اسلام آباد میں مقرر ہوئیں۔

پروین شاکر کی شادی اپنے خالہ زاد بھائی ڈاکٹر نصیر علی سے ہوئی لیکن یہ رشتہ جلد ہی ٹوٹ گیا۔ دراصل دونوں کے مزاج میں کافی فرق تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ المیہ ذہنی عدم توازن کی وجہ سے ہی پیدا ہوا۔ ان سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا جس کا نام سید مراد علی رکھا گیا۔

بہرحال، 1989ء میں پروین شاکر طلاق لے کر شوہر سے آزاد ہوگئیں۔ انہوں نے 42 برس کی عمر پائی جس میں 27 برسوں تک شاعری کی۔ انہوں نے پندرہ برس کی عمر میں شاعری شروع کر دی تھی۔

پروین شاکر بے حد نرم دل خاتون تھیں۔ ان کے اندر ہمدردی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ مہذب، حساس اور بے حد ذہین بھی تھیں۔ ان کا مطالعہ بھی وسیع تھا۔ انہیں نسائی تحریک سے وابستہ کیا جاسکتا ہے کیوں کہ ان کی شاعری میں عورتوں کے جذبات بہت ہی شدت کے ساتھ اور فطری انداز میں ابھرے ہیں۔

پروین شاکر کے کئی شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ 1977ء میں ان کا پہلا مجموعہ کلام 'خوشبو' سامنے آیا۔ اس کے بعد 1981ء میں 'صد برگ'، 1984ء میں 'خود کلامی'، 1990ء میں 'انکار' اس کے بعد 'ماہ تمام' کے نام سے کلیات بھی شائع ہوا۔ 'کف آئینہ' کے نام سے ایک اور مجموعہ کلام شائع ہوا۔

پروین شاکر کی وفات 26 دسمبر 1994ء کو اسلام آباد کے نزدیک ایک سڑک حادثے میں ہوئی۔ لیکن نسائی تحریک کی یہ شاعرہ اپنے کلام میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گی۔

پروین شاکر

(۱)

گئے موسم میں جو کھلتے تھے گلابوں کی طرح
دل پہ اتریں گے وہی خواب عذابوں کی طرح

راکھ کے ڈھیر پہ اب رات بسر کرنی ہے
جل چکے ہیں مرے خیمے، مرے خوابوں کی طرح

ساعتِ دید کے عارض ہیں گلابی اب تک
اولیں لمحوں کے گلنار حجابوں کی طرح

غیر ممکن ہے ترے گھر کے گلابوں کا شمار
میرے رستے ہوئے زخموں کے حسابوں کی طرح

یاد تو ہوں گی وہ باتیں تجھے اب بھی لیکن
شیلف میں رکھی ہوئی بند کتابوں کی طرح

کون جانے کہ نئے سال میں تو کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

شوخ ہو جاتی ہے اب بھی تری آنکھوں کی چمک
گاہے گاہے، ترے دلچسپ جوابوں کی طرح

ہجر کی شب، مری تنہائی پہ دستک دے گی
تیری خوشبو، مرے کھوئے ہوئے خوابوں کی طرح

(۲)

بارش ہوئی تو پھولوں کے تن چاک ہو گئے
موسم کے ہاتھ بھیگ کے سفاک ہو گئے

بادل کو کیا خبر ہے کہ بارش کی چاہ میں
کیسے بلند و بالا شجر خاک ہو گئے

جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں
بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے

لہرا رہی ہے برف کی چادر ہٹا کے گھاس
سورج کی شہ پہ تنکے بھی بے باک ہو گئے

بستی میں جتنے آب گزیدہ تھے سب کے سب
دریا کے رخ بدلتے ہی تیراک ہو گئے

سورج دماغ لوگ بھی ابلاغِ فکر میں
زلفِ شبِ فراق کے پیچاک ہو گئے

جب بھی غریب شہر سے کچھ گفتگو ہوئی
لہجے ہوائے شام کے نمناک ہو گئے

لفظ و معنی

عذاب ۔ سزا، کسی گناہ کی سزا

بسر کرنا ۔ گزارنا، بتانا

ساعت ۔ لمحہ

دید ۔ دیکھنا

عارض ۔ رخسار، گال

اولیں ۔ پہلا، سب سے پہلا

گلنار ۔ انار کا پھول، لال پھول

حجاب ۔ پردہ

شاداب ۔ تروتازہ

غیر ممکن ۔ ناممکن، نہ ہونے والا

تشنگی ۔ پیاس

سراب ۔ دھوکا، ریگستان میں جو ریت چمکتی ہے، وہ چمک دور سے پانی کے چشمے کی طرح دکھائی دیتی ہے یعنی اس پر پانی کا گمان یا دھوکا ہوتا ہے۔ اسی کو سراب کہتے ہیں۔

شمار ۔ گنتی

شیلف ۔ الماری

معیار ۔ انداز

شوخ ۔ چنچل

گاہے گاہے ۔ کبھی کبھی

ہجر ۔ جدائی

شب ۔ رات

خوش بو ۔ اچھی مہک

تن ۔ بدن، جسم

سفاک - بے درد، بے رحم

خبر - پتہ، علم

چاہ - چاہت، طلب، خواہش

بلند و بالا - اونچا

شجر - درخت

ضد - اصرار

شہ - اشارہ

بے باک - بے جھجک

آب گزیدہ - پانی کا مارا ہوا، کاٹا ہوا

تیراک - تیرنے والا

سورج دماغ - روشن دماغ

ابلاغ - پہنچانا، منتقل کرنا، اپنی بات یا خیال کو دوسروں تک پہنچانا

ابلاغ فکر - اپنی فکر کو دوسروں تک پہنچانا

پیچاک - گرہ، الجھن

زلف - لمبے بال، گیسو

غریب شہر - پردیسی

فراق - جدائی، ہجر

آپ نے پڑھا

- آپ نے شامل نصاب پروین شاکر کی دو غزلوں کا مطالعہ کیا جن میں پہلی غزل آٹھ اور دوسری غزل نو اشعار پر مشتمل ہے جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ پروین شاکر کی شاعری میں عورتوں کے جذبات بہت ہی شدت کے ساتھ اور فطری انداز میں پیش ہوئے ہیں، ان دونوں غزلوں کے مطالعہ سے ان خیالات کو تقویت مل جاتی ہے۔ عشق و محبت کے حوالے سے ان غزلوں میں جن جذبات و احساسات کی ترجمانی کی گئی ہے ان میں درد، کسک، ٹیس اور کرب کو بہ آسانی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ان میں ذرا بھی تصنع نہیں بلکہ یہ شاعرہ کے اپنے دل کی حقیقی اور فطری آواز معلوم

ہوتی ہے جس سے بخوبی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ پروین شاکر کی شاعری دراصل ان کی ناکام محبت کی ترجمانی کا دوسرا نام ہے۔ ایک اور خاص بات جو پروین شاکر کی ان غزلوں کے مطالعہ سے اجاگر ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ پروین شاکر اپنے جذبات واحساسات کو، حسرت و ہیجان کو، ہجر و انتظار کو اور محبوب کی بے وفائی اور بے مروتی کو کچھ اس انداز سے شعری پیکر عطا کرتی ہیں کہ ایک طرف جہاں ان کی شاعری اپنے جذبات کی کہانی معلوم ہوتی ہے وہیں دوسری طرف انہیں کی طرح محبت کی ماری دوسری خواتین کی دلی کیفیات کی ترجمانی نظر آتی ہے۔ اس طرح پروین شاکر ایسی ہی عورتوں کی ایک نمائندہ شاعرہ کے طور پر ابھر کر منظر عام پر آئی ہیں۔ ایسی نمائندہ جو محبت میں ناکام ہونے کے باوجود، زندگی سے راہ فرار اختیار نہیں کرتیں بلکہ نرم اور مدھم نسوانی لہجہ کے باوجود نسوانی تحریک کی مضبوط علمبرداری کرتی ہیں۔

مختصر ترین سوالات

1. پروین شاکر کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟
2. پروین شاکر کہاں پیدا ہوئیں؟
3. پروین شاکر کے اسلاف کا وطن کہاں ہے؟
4. پروین شاکر کے والد کا نام بتایئے۔
5. پروین شاکر کے والد ہجرت کر کے کہاں گئے؟
6. پروین شاکر کی ابتدائی تعلیم کہاں ہوئی؟
7. پروین شاکر نے میٹرک کا امتحان کس اسکول سے پاس کیا؟
8. بی اے کی تعلیم پروین شاکر نے کس کالج میں حاصل کی؟
9. کراچی یونی ورسٹی سے انہوں نے کس کس سبجکٹ میں ایم اے کیا؟
10. ہارورڈ یونی ورسٹی، امریکہ سے پروین شاکر نے کس سبجکٹ میں ایم اے کیا؟

مختصر سوالات

1. پروین شاکر کی سوانح پر پانچ جملے لکھئے۔
2. اپنی یاد سے پروین شاکر کا کوئی ایک شعر لکھئے۔

3. پروین شاکر کی ازدواجی زندگی مختصراً بیان کیجئے۔
4. پروین شاکر کی شاعری پر پانچ جملے لکھئے۔

طویل سوالات

1. پروین شاکر کا تفصیلی تعارف پیش کیجیے۔
2. پروین شاکر کی شاعری میں کس طرح کے جذبات شدت کے ساتھ ابھرے ہیں؟
3. نصاب میں شامل پروین شاکر کی کسی ایک غزل کے ادبی محاسن پر روشنی ڈالئے۔
4. راکھ کے ڈھیر پہ اب رات بسر کرنی ہے جل چکے ہیں مرے خیمے مرے خوابوں کی طرح

اس حزنیہ شعر کی تشریح کیجیے۔

آیئے، کچھ کریں

1. پروین شاکر کے شعری مجموعوں کی ایک فہرست تیار کیجئے۔
2. اپنے استاد سے کچھ اور شاعرات کے نام دریافت کیجئے۔

عرفان صدیقی

عرفان صدیقی کا اصل نام عرفان احمد صدیقی تھا لیکن وہ عرفان صدیقی کے نام سے شعروادب کی دنیا میں مشہور ہوئے۔ 8/جنوری 1939ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ وہ شیخ صدیقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد مولوی سلمان احمد صدیقی ہلالی بدایونی تھے۔ جن کا انتقال 1981ء میں ہوا۔ عرفان صدیقی نے بدایوں کے محلہ سوتھا میں آنکھیں کھولیں۔ ان کے والد پیشے کے لحاظ سے وکیل تھے اور اردو کے ادیب اور شاعر بھی۔ اس طرح عرفان صدیقی کو ایک علمی ادبی ماحول ملا۔ ان کے یہاں تین نسلوں سے شعروادب کی آبیاری ہورہی تھی۔ ان کے دادا مولوی اکرام احمد شاد صدیقی اپنے وقت کے سرسید سمجھے جاتے تھے اور وہ شاعر بھی تھے۔ عرفان صدیقی کے بھائی نیاز صدیقی بھی شاعر تھے لیکن عرفان صدیقی جیسی شہرت ومقبولیت انہیں حاصل نہ ہوسکی۔

عرفان صدیقی نے 1953ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد 1955 میں انٹرمیڈیٹ، 1957ء میں بی اے اور 1959ء میں ایم اے کیا۔ ایم اے میں ان کا موضوع عمرانیات تھا۔ انہوں نے دہلی سے ماس کمیونی کیشن میں ڈپلوما حاصل کیا اور 1962ء میں حکومت ہند کی اطلاعاتی سروس سے وابستہ ہوگئے۔ پھر وہ مختلف شعبے میں کام کرتے رہے۔ آخر میں نائب پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوئے اور یہیں سے سبکدوش بھی ہوئے۔ سبکدوشی کے بعد انہوں نے لکھنؤ میں سکونت اختیار کرلی۔ 16/مارچ 2004ء کو برین ٹیومر کے مرض کی وجہ سے ان کا انتقال ہوگیا۔

عرفان صدیقی کے کئی مجموعے شائع ہوئے جو اب یکجا طور پر 'دریا' کے نام سے شائع ہوگیا ہے۔ انہوں نے کالی داس کے سنسکرت ڈراما 'مالویکا اگنی مترم' کا 'مالیکا اور اگنی متر' کے عنوان سے ترجمہ کیا تھا۔ رابطۂ عامہ کے موضوع پر بھی انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے۔

عرفان صدیقی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے پرانے اور نئے شاعروں کے بھی اثرات قبول کئے اور ان اثرات نے ان کی غزلوں کو ایک نیا رنگ اور نیا آہنگ عطا کردیا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے وہ اپنے معاصرین میں منفرد غزل گو تسلیم کئے جاتے ہیں۔

عرفان صدیقی

(۱)

دستِ عصائے معجزہ گر بھی اسی کا ہے
گہرے سمندروں میں سفر بھی اسی کا ہے

تیرا یقین سچ ہے مری چشمِ اعتبار
سب کچھ فصیلِ شب کے ادھر بھی اسی کا ہے

بس اپنا اپنا فرض ادا کررہے ہیں لوگ
ورنہ سناں بھی اس کی ہے سر بھی اسی کا ہے

تیغِ ستم کو جس نے عطا کی ہیں مہلتیں
فریادِ کشتگاں میں اثر بھی اسی کا ہے

منظر میں جتنے رنگ ہیں نیرنگ اسی کے ہیں
حیرانیوں میں ذوقِ نظر بھی اسی کا ہے

مجرم ہوں اور خرابۂ جاں میں اماں نہیں
اب میں کہاں چھپوں کہ یہ گھر بھی اسی کا ہے

خود کو چراغِ راہ گزر جانتا ہوں میں
لیکن چراغِ راہ گزر بھی اسی کا ہے

کام اس شکوۂ تنہائی سے کیا چلتا ہے
تو اکیلا ہے کہ دنیا سے جدا چلتا ہے

رنگ آسان ہیں پہچان لئے جاتے ہیں
دیکھنے سے کہیں خوشبو کا پتہ چلتا ہے

لہر اٹھے کوئی دل میں تو کنارے لگ جائیں
یہ سمندر ہے یہاں حکمِ ہوا چلتا ہے

پاؤں میں خاک کی زنجیر پڑی ہے کب سے
ہم کہاں چلتے ہیں نقشِ کفِ پا چلتا ہے

شہر در شہر رواں ہے مری فریاد کی گونج
مجھ سے آگے مرا رہوارِ صدا چلتا ہے

اس خرابے میں بھی ہوجائے گی دنیا آباد
ایک معمورہ پسِ سیلِ بلا چلتا ہے

لفظ و معنی

دست	۔	ہاتھ
عصا	۔	لاٹھی
معجزہ	۔	حیرت انگیز واقعہ
معجزہ گر	۔	معجزہ کرنے والا
چشم	۔	آنکھ
اعتبار	۔	بھروسہ
فصیل	۔	دیوار
شب	۔	رات
سناں	۔	برچھی
تیغ	۔	تلوار
ستم	۔	ظلم
مہلت	۔	فرصت
کشتگاں	۔	قتل کیے ہوئے لوگ، مقتول
نیرنگ	۔	بہت سے رنگ
ذوقِ نظر	۔	دیکھنے کی چاہت، دیکھنے کا شوق
مجرم	۔	جرم کرنے والا، قصوروار
خرابہ	۔	ویرانہ، ویران جگہ، غیر آباد جگہ
خرابہ جاں	۔	ویران زندگی
اماں	۔	امن، سکون
شکوہ	۔	شکایت
جدا	۔	الگ
لہر	۔	موج، دھارا

ABDIEL SOLUTION ABSOL PATN

خاک - مٹی

زنجیر - بیڑی

پا - پیر، پاؤں

کفِ پا - پاؤں کا تلوا

رواں - چلتا ہوا، چلتی ہوئی

فریاد - دہائی

رہوار - چلنے والا، مسافر

صدا - آواز

معمورہ - بھیڑ، جماعت، گروہ

پس - پیچھے

سیلِ بلا - بلاؤں کا طوفان، مصیبتوں کا طوفان

آپ نے پڑھا

- آپ نے عرفان صدیقی کی دو غزلیں پڑھیں۔ عرفان صدیقی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ انہوں نے پرانے اور نئے شاعروں کے اثرات قبول کئے ہیں۔ اور ان اثرات نے ان کی غزلوں کو ایک نیا رنگ اور نیا آہنگ یا ایک نیا ذائقہ عطا کر دیا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے وہ اپنے معاصرین میں منفرد غزل گو تسلیم کئے جاتے ہیں۔

مختصر گفتگو

1. عرفان صدیقی کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

(الف) 1939 بدایوں (ب) 1938 لکھنو (ج) 1937 سہسرام (د) 1940 علی گڑھ

2. عرفان صدیقی کا تعلق کس خاندان سے تھا؟

(الف) شیخ صدیقی (ب) سید شیخ (ج) صدیقی خاندان (د) بدایوں خاندان

3. عرفان صدیقی نے میٹرک کا امتحان کب پاس کیا؟

(الف) 1955 (ب) 1953 (ج) 1954 (د) 1956

4. مولوی اکرام احمد شاد صدیقی اپنے عہد کے سرسید سمجھے جاتے تھے؟ یہ عرفان صدیقی کے کون تھے؟

(الف) دادا (ب) چاچا (ج) ماموں (د) والد

5. عرفان صدیقی نے ماس کمیونی کیشن میں ڈپلوما کہاں سے حاصل کیا؟

(الف) کلکتہ (ب) دہلی (ج) لکھنو (د) بدایوں

مختصر ترین سوالات

1. عرفان صدیقی کا انتقال کس مرض کی وجہ سے ہوا؟
2. عرفان صدیقی کا انتقال کب اور کہاں ہوا؟
3. عرفان صدیقی کے مجموعے کس نام سے یکجا طور پر شائع ہوئے؟
4. عرفان صدیقی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد کہاں سکونت پذیر ہوئے؟
5. عرفان صدیقی نے کالی داس کے ڈراما 'مالویکا اگنی مترم' کا ترجمہ کس نام سے کیا؟

طویل سوالات

1. عرفان صدیقی کی غزل گوئی کی خصوصیات بیان کیجیے۔
2. دوسری غزل کے دوسرے شعر کی تشریح کیجیے۔
3. پہلی غزل کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔
4. درج ذیل شعر کی تشریح کیجیے:

اس خرابے میں بھی ہو جائے گی دنیا آباد
ایک معمورہ پسِ سیل بلا چلتا ہے

4. عرفان صدیقی کے حالات زندگی بیان کیجیے۔

آیئے، کچھ کریں

1. اپنے استاد کی مدد سے عرفان صدیقی کے بارے میں مزید معلومات فراہم کیجیے۔
2. اپنے اسکول یا علاقے کی لائبریری میں عرفان صدیقی کی شاعری کے مجموعے تلاش کر کے ان کا مطالعہ کیجیے۔

دوہا

دوہا ہندی زبان کی ایک قدیم صنف سخن ہے۔ قدیم فارسی رباعی کی طرح دوہے کے موضوعات بھی عام طور سے پند و نصائح اور مذہب و اخلاق سے جڑے نکتے ہی تھے دوہے کی زبان بھی بہت عام فہم اور سہل ہوتی تھی، جسے ہاٹ بازار، گلی کوچے میں چلنے پھرنے والا ہر ادنیٰ و اعلیٰ آدمی سمجھ سکے۔ حال کے دنوں میں اردو دوہوں میں موضوعات نے بہت وسعت اور تنوع اختیار کر لیا ہے۔ اس میں ہر طرح کے موضوعات شامل کئے جا رہے ہیں۔

دوہے میں دو مصرعے ہوتے ہیں ہر مصرعے میں ایک وقفہ ہوتا ہے یعنی ہر مصرعے میں دو چرن ہوتے ہیں وقفے سے پہلے کا حصہ سم چرن اور بعد کا حصہ وشم چرن کہلاتا ہے۔ سم چرن میں تیرہ اور وشم چرن میں گیارہ ماترائیں ہوتی ہیں۔ عموماً دوہے میں ردیف نہیں ہوتی لیکن ہو تو عیب نہیں، بلکہ ایک حسن اضافی ہے۔

ظفر گورکھپوری

ہم عصر اردو شعر و ادب میں ظفر گورکھپوری کا نام انتہائی ادب و احترام سے لیا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف کامیاب شاعر ہیں۔ بلکہ انہوں نے کئی فلمی نغمے بھی لکھے ہیں۔

ظفر گورکھپوری کی پیدائش 5 رمئی 1935 کو اتر پردیش کے گورکھپور واقع بانس گاؤں تحصیل کے بیدولی بابو گاؤں میں ہوئی۔ کم عمری میں ہی انہوں نے غزل کے شعبہ میں قابل ذکر مقام بنالیا تھا۔

ظفر گورکھپوری کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت کلاسیکل شاعری اور جدید شاعری کے ساتھ کئے گئے ان کے تجربے کا خوبصورت میلان ہے۔ ان کی شاعری میں بالکل نیا اسلوب اور فکر و احساسات کی نئی تازگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان کی شاعری فراق گورکھپوری کے ساتھ شروع ہوتی ہے اور علی سردار جعفری، مجروح سلطان پوری، کیفی اعظمی، ساحر لدھیانوی، جاں نثار اختر سے ہوتی ہوئی آج تک پہنچتی ہے۔

ظفر گورکھپوری کی شاعری کے اب تک سات مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان کے نام ہیں — تیشہ، وادیٔ سنگ، گوکھرو کے پھول، چراغ چشم تر، آر پار کا منظر، زمین کے قریب اور ہلکی ٹھنڈی ہوا۔ اس کے علاوہ بچوں کے لئے بھی ان کے دو مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ ان کے نام ہیں — ناچ ری گڑیا، اور سچائیاں۔

'زمین کے قریب' میں نظموں، غزلوں اور گیتوں کے ساتھ ساتھ کافی تعداد میں دوہے بھی شامل ہیں۔

ظفر گورکھپوری نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کے دورے کئے ہیں اور عالمی مشاعروں میں ہندوستان کی نمائندگی کی ہے۔

دوہے

تارے چھو، جگنو پکڑ، رچ سپنوں کے کھیل
رات کی اتنی عمر ہے، دیئے میں جتنا تیل

جس پردے میں جھانکئے، بس اک تیرا روپ
کیا بادل میں بوندیاں کیا سورج میں دھوپ

حد سے ادھک سنجیدگی، سچ پوچھو تو روگ
آگا پیچھا سوچتے بوڑھے ہوگئے لوگ

بھوکی بھیڑ کے جسم میں بس
چرواہے کو دودھ دے یا تاجر کو اون

جاکر بیٹھیں چار پل، کن پیڑوں کے پاس
ظفر ہمارے بھاگ میں شہروں کا بن باس

لے آتے بازار سے سکھ کے لمحے چند
پیسوں سے ملتا کہیں جو من کا آنند

اس سے بڑھ کر اور کیا رشتوں کی پہچان
گرے کہلاڑی پیڑ پر اور میں بھولبھان

رات پرائے دیس کی، ہر سپنا برباد
جگنو سا چمکا کرے ماں کا آشرواد

بچے ٹی وی دیکھ کر خوش تو ہوئے جناب
دکھ لیکن اس بات کا، بیوہ ہوئی کتاب

کیا چنتن کیا چیتنا، بھور اپنی نہ سانجھ
کمپیوٹر کے کال میں سب بنجر سب بانجھ

لفظ و معنی

روپ - شکل
روگ - مرض، بیماری
تاجر - تجارت کرنے والا
آنند - خوشی، مسرت
سپنا - خواب
بیوہ - وہ عورت، جس کا شوہر کا انتقال ہوگیا ہو
چنتن - فکر، کسی بات پر غور کرنا، سوچنا
چیتنا - شعور، سمجھ
کال - زمانہ، عہد
بنجر - غیر اپجاؤ

بھور	۔	صبح سویرے، علی الصبح
سانجھ	۔	شام
بانجھ	۔	جس عورت کو اولاد نہ ہو
ہم عصر	۔	اپنے زمانے کا
انتہائی	۔	بہت، بے انتہا
احترام	۔	عزت
شعبہ	۔	میدان، شاخ
قابلِ ذکر	۔	ذکر کرنے لائق، خاص
خصوصیت	۔	خاصیت، خوبی
کلاسیکل	۔	اعلیٰ درجہ کی پرانی / پرانا
جدید	۔	نیا / نئی
میلان	۔	ملن، ایک جگہ ملنا
اسلوب	۔	ڈھنگ، طریقہ، اسٹائل
عالمی	۔	پوری دنیا کی سطح پر
نمائندگی	۔	قیادت / اگوائی کرنا، نمائندہ بن کر جانا
قدیم	۔	پرانا / پرانی
صنف	۔	قسم
سخن	۔	کلام
پند	۔	نصیحت، بھلی بات، ہدایت
نصائح	۔	نصیحت کی جمع
اخلاق	۔	عادتیں، برتاو
عام فہم	۔	عام لوگوں کی سمجھ میں آنے والا
سہل	۔	آسان

ادنیٰ - چھوٹا، معمولی

اعلیٰ - بڑا، بلند مرتبہ

وسعت - پھیلاو

تنوع - قسم قسم کا ہونا

وقفہ - ٹھہراو

عموماً - عام طور سے

آپ نے پڑھا

- ظفر گورکھپوری ہندوستان کے بزرگ شاعروں میں ایک ہیں۔ ان کی شہرت پوری اردو ادبی دنیا میں ہے اور ان کا نام انتہائی عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ انہوں نے غزلیں، نظمیں اور فلمی نغمے لکھے ہیں۔ ساتھ ہی دوہے بھی لکھے ہیں۔ بچوں کے لئے بھی انہوں نے کئی نظمیں لکھی ہیں۔
- ظفر گورکھپوری کے دوہے انتہائی سیدھے سادے الفاظ والے اور آسانی سے سمجھ میں آجانے والے ہوتے ہیں۔ ان کے دوہوں کا تعلق سیدھے سیدھے ہماری زندگی سے ہوتا ہے۔
- پہلے دوہے میں کہا گیا ہے کہ رات کی عمر بہت لمبی نہیں ہوتی ہے۔ اس کی عمر بہت مختصر ہوتی ہے۔ اتنی ہی، جتنا کہ کسی دیئے میں تیل ہوتا ہے۔ رات کے اس لمحہ کو خواب بننے اور تفریح میں بتانا چاہئے۔ جب کہ تیسرے دوہے میں کہا گیا ہے کہ بہت زیادہ سنجیدگی بھی ٹھیک نہیں ہے، یہ ایک طرح کا مرض ہے۔ بہت سے لوگ سوچتے سوچتے ہی بوڑھے ہوگئے۔
- دوسرے دوہے میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ قدرت کی ہر شئے میں خدا کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس دوہے میں شاعر اسی بات کو بادل اور سورج کے حوالے سے کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بادل کی بوندوں میں اور سورج کی دھوپ میں قدرت کی کارفرمائی ہے۔
- چوتھے دوہے میں انسان کی تنگ دستی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور بھوکی بھیڑ کی مثال پیش کی گئی ہے۔ شاعر کہہ رہا ہے کہ بھوکی بھیڑ کے جسم میں تو تھوڑا سا خون ہی ہے۔ وہ چرواہے کو دودھ کہاں سے دے پائے گی۔ البتہ تاجر چاہے تو اس سے اون حاصل کرسکتا ہے کیوں کہ وہی چیز اس کے جسم پر مل جائے گی۔
- پانچویں دوہے میں شہر کی بھیڑ بھاڑ، چیخ و پکار اور بے چینی ظاہر کی گئی ہے جہاں چین سے چار پل بھی نصیب نہیں

ہوتا ہے جو اطمینان اور سکون کسی شانت جگہ پر کسی پیڑ کے سائے تلے ملتا ہے وہ کہیں اور کہاں؟ شہر میں جینا تو بن باس جیسا ہوتا ہے۔

- چھٹے دوہے میں شاعر کہتا ہے کہ پیسے سے سب کچھ خریدا جاسکتا ہے، لیکن زندگی کا حقیقی لطف حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ بازار میں جو چاہیں خرید لیں، مگر سکھ اور چین نہیں مل سکتے۔
- ساتویں دوہے میں شاعر نے بہت بڑی بات کہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ اتنا گہرا رشتہ ہونا چاہئے کہ اگر ایک کو کوئی تکلیف، پریشانی ہو تو دوسرے کو اس کا احساس ہو جائے اور وہ پریشانی میں مبتلا شخص کی مدد کو آگے آئے۔ شاعر نے اسی کو پیڑ پر کلہاڑی چلانے کے عمل سے بتانے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس سے گہرا رشتہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ کوئی پیڑ پر کلہاڑی چلائے تو لگے کہ میں ہی لہولہان ہو رہا ہوں۔
- آٹھویں دوہے میں ماں اور مادر وطن کی عظمت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ پرایا دیس آخر پرایا ہی ہوتا ہے۔ وہاں کوئی اچھا سا خواب نہیں دیکھا جاسکتا۔ دوسری طرف ماں کے بارے میں کہتا ہے کہ ماں کی دعاؤں سے آشیرواد سے انسان کی قسمت روشن ہوتی ہے۔
- نویں دوہے میں بچوں کی ٹی وی دیکھنے کی بڑھتی ہوئی عادت پر افسوس ظاہر کیا گیا ہے۔ شاعر کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس عادت سے بچے کتابیں پڑھنے پر کم وقت دیتے، جس سے کتابیں یوں ہی پڑی رہتی ہیں اور انہیں کوئی پڑھنے والا نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح دسویں دوہے میں کمپیوٹر کی لت پر تشویش ظاہر کی گئی ہے۔ شاعر کی نظر میں کمپیوٹر نے آدمی کی سوچنے اور غور وفکر کی صلاحیت کو چھین لیا ہے۔ آدمی اپنے ذہن کا استعمال اب کم سے کم کرتا جارہا ہے۔

مختصر ترین سوالات

1. ظفر گورکھپوری کی پیدائش کب ہوئی؟
2. ظفر گورکھپوری کی پیدائش کس ریاست میں ہوئی؟
3. ظفر گورکھپوری کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت کیا ہے؟
4. بچوں کے لئے ظفر گورکھپوری کے کون سے دو مجموعے شائع ہوئے ہیں؟
5. ظفر گورکھپوری نے کن کن ملکوں کا دورہ کیا؟

مختصر سوالات

1. ظفر گورکھپوری کا کون سا دوہا آپ کو سب سے زیادہ اچھا لگا اور کیوں؟
2. پانچویں دوہے میں 'شہروں کی بن باس' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
3. پیڑ پر کلہاڑی گرنے سے شاعر کس طرح لہولہان ہوا؟
4. بچوں کے ٹی وی زیادہ دیکھنے پر شاعر کیوں دکھی ہے؟
5. کمپیوٹر سے کیا نقصان پہنچ رہا ہے؟

طویل سوالات

1. شاعر نے اپنے دوہوں میں کن کن خیالات کا اظہار کیا ہے؟ ان کی فہرست بنائیے۔
2. ظفر گورکھپوری کے دوہوں کی خوبیوں کو واضح کیجئے۔
3. ظفر گورکھپوری کے متعلق اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے۔

ذرا غور کریں:

دوہا دراصل ہندی زبان کی ایک صنف ہے۔ بعد کے دنوں میں یہ اردو زبان میں بھی لکھا جانے لگا۔ دوہے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی زبان بہت آسان ہوتی ہے تاکہ عام لوگ فوراً سمجھ جائیں۔ یہاں تک کہ ان پڑھ لوگوں کو بھی سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو، بلکہ ان کی زبان پر چڑھ جائے۔ کبیر کے دوہوں کی بھی یہی خصوصیت تھی۔ ان کے کئی دوہے کافی مشہور ہیں۔

آیئے، کچھ کریں

1. فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ کے لئے ظفر گورکھپوری کی شاعری کے نمونے جمع کیجئے۔
2. کبیر کے چند دوہے جمع کر کے ان کی خوبیاں تفصیل سے لکھئے۔

گیت

جس طرح غزل اردو شاعری کی بہت ہی مقبول صنف ہے، اسی طرح ہندی کی شعری اصناف میں گیت کی صنف قدیم زمانے سے مقبول ہے۔ اردو زبان نے جہاں فارسی اور انگریزی کے اثرات قبول کرتے ہوئے فارسی، انگریزی اور دوسری غیر ملکی زبانوں کی صنفوں کو اردو زبان میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے اس طرح شروع ہی سے یہ ہندی کے اثرات قبول کرتی رہی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اردو میں گیت نگاری کی روایت نہ صرف قائم ہوچکی ہے بلکہ یہ ارتقا پذیر بھی ہے۔

گیت ہندی شاعری کی بہت ہی قدیم اور محبوب صنف ہے اور اردو میں ہندی مزاج کی نمائندگی کرنے والی یہ صنف بہت پہلے سے رائج ہے۔ قلی قطب شاہ سے لے کر آج تک کئی شاعروں کے یہاں اس کے نمونے ملتے ہیں۔ یہ دراصل دیہات کے عوام کی معصوم اور پاک دھڑکنوں کی ترجمانی ہے۔ کھیت کھلیان پر جاتے وقت مزدور کسان گنگناتے ہوئے اپنے دلوں کو تازگی بخشنے کے لئے، شادی بیاہ میں رسموں کی ادائیگی کے وقت، لڑکیوں کی رخصتی کے موقع پر جو نغمے گائے جاتے ہیں، وہ گیت ہے۔ اس لئے گیت جذبات کی سچی عکاسی کرتا ہے اور اس میں نغمگی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

گیت کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں ہندی کے نرم و نازک اور سبک رو الفاظ کا ہی استعمال زیادہ ہوتا ہے جس سے گیت میں کافی مٹھاس پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کی حلاوت دل چھولیتی ہے۔ بناوٹ کے اعتبار سے گیت کی ایک خاص اور منفرد شناخت ہے۔ عہد حاضر میں اس صنف کو بخوبی برتنے والے شاعروں میں سلام مچھلی شہری، بیکل اتساہی، اجمل سلطان پوری، زبیر رضوی اور وسیم بریلوی کے نام قابل ذکر ہی نہیں بلکہ قابلِ فخر ہیں۔

سلام مچھلی شہری

سلام مچھلی شہری کا اصل نام عبدالسلام تھا۔ مچھلی شہر جونپور (یوپی) کا ایک قصبہ ہے جہاں وہ یکم جولائی 192ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام عبدالرزاق تھا اور دادا محمد اسمٰعیل تھے۔ والد کی مالی حالت اچھی نہیں تھی اس لئے سلام مچھلی شہری کسی طرح فیض آباد کے فاربس ہائی اسکول میں داخل ہوئے اور ایک مخلص اللہ قاسم کے بچوں کو پڑھانے لگے۔ فیض آباد میں قیام کے دوران ہی سلام مچھلی شہری سیاست میں دلچسپی لینے لگے جس کے نتیجے میں تحریک آزادی ہند سے بھی وابستہ ہوگئے۔ اسی زمانے میں ان کی شاعری کی بھی ابتدا ہوئی اور وہ تحریک آزادی کے پس منظر میں انقلاب آفریں نظمیں لکھنے لگے۔ سیاست کی وجہ سے ان کی تعلیم بھی متاثر ہوئی۔ میٹرک کے امتحان میں ناکام ہوگئے۔ پھر میٹرک کے مساوی کوئی امتحان پاس کرکے لکھنؤ یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ لیکن وہاں بھی جلد ہی ان کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مگر دوسری طرف ان کی تحریکی شاعری زور پکڑنے لگی۔ اسی دوران انہوں نے انقلابی نظموں کا ایک مجموعہ 'میرے نغمے' شائع کیا، جسے برطانوی حکومت نے ضبط کرلیا۔ سلام مچھلی شہری کو منظوم خط لکھنے کی بھی عادت تھی چنانچہ اپنے وقت کے اہم لوگوں کو وہ ایسے خطوط لکھا کرتے تھے۔ خطوط کے سلسلہ میں آچاریہ نریندر سے ان کا رابطہ ہوا اور وہ فیض آباد کے ایک رسالہ 'نغمہ' کے ایڈیٹر ہوئے۔

سلام مچھلی شہری نے اس وقت شاعری شروع کی جب ان کی عمر چودہ سال تھی یعنی 1935ء کے آس پاس ان کی پہلی نظم 'نیرنگ خیال' میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ہی وہ ترقی پسند تحریک سے ذہنی طور پر متاثر ہوئے۔ لیکن سلام اپنے طور پر بھی کچھ ایسی شاعری کرنا چاہتے تھے کہ اس میں نیرنگی ہو۔ چنانچہ انہوں نے بعض ہیئتی تجربے بھی کئے۔ گیتوں کے مجموعے جیسے 'پایل'، 'بازو بند کھل جائے' اور 'تین ہیرے' اپنے وقت میں بہت مقبول تھے۔ لیکن بنیادی طور پر سلام ترقی پسند ہی رہے۔ ان کی بعض نظمیں اب بھی یاد کی جاتی ہیں۔ ایسی نظموں میں 'سڑک بن رہی ہے' اور 'پیتل کا سانپ' وغیرہ قابل ذکر ہے۔ ان نظموں میں زندگی کے تجربات سادہ ہیں لیکن طرز فکر میں انفرادیت ہے۔ 1944ء میں سلام کا دوسرا مجموعہ 'وسعتیں' شائع ہوا جس میں کچھ نئی اور کچھ پرانی نظمیں ہیں۔

سلام مچھلی شہری نے غزلیں بھی کہی ہیں۔ لیکن ان کی غزلوں میں وہی انقلاب کی لے ہے اور یہ لے کبھی کبھی غربت و افلاس کی دنیا میں انہیں لے جاتی ہے اور یہ دنیا روز اول سے ہی ایک نمایاں موضوع بنی ہوئی ہے۔ 1973ء میں لاہور میں سلام مچھلی شہری کا انتقال ہوگیا۔

گیت

جمنا کی لہریں اٹھتی ہیں
کچھ کہتی، کچھ گاتی ہیں
اور گاتے گاتے سپنوں کی دنیا میں کھو جاتی ہیں
کیا جانے کیا کہہ جاتی ہیں آکاش کے ہنس مکھ تاروں سے
کیا جانے کیا سن جاتی ہیں اس دنیا کے نظاروں سے
جمنا کی لہریں اٹھتی ہیں
کچھ کہتی، کچھ گاتی ہیں
اور گاتے گاتے سپنوں کی دنیا میں کھو جاتی ہیں
شیشے سے بھی نازک لہروں پر کتنی پرچھائیں پڑتی ہیں
جب تاج محل کچھ کہتا ہے ممتاز کی صورت ہنستی ہے
جمنا کی لہریں اٹھتی ہیں
کچھ کہتی، کچھ گاتی ہیں
اور گاتے گاتے سپنوں کی دنیا میں کھو جاتی ہیں
میں ان لہروں پر بھیجوں گی جیون کے ہزاروں خواب ابھی
یہ آنسو، یہ نازک کلیاں، یہ چاندنی، یہ مہتاب ابھی
آشائیں فنا ہو کر بھی جہاں کچھ امرت رس بہاتی ہیں
جمنا کی لہریں اٹھتی ہیں
کچھ کہتی، کچھ گاتی ہیں
اور گاتے گاتے سپنوں کی دنیا میں کھو جاتی ہیں

لفظ و معنی

صنف - شاعری میں قسم کو صنف کہتے ہیں

رائج - جاری، قائم

قلی قطب شاہ - مغلیہ عہد کے آخری دور میں دکن کا آزاد حکمراں

نغمے - گانے

عکاسی - تصویر کشی

نغمگی - موسیقی

سبک رو - ہلکے پھلکے، آسان

حلاوت - مٹھاس

منفرد - جداگانہ

شناخت - پہچان

عہدِ حاضر - موجودہ دور

قابلِ فخر - عزت اور مرتبہ کے قابل

سپنوں - خواب

آکاش - آسمان

نظاروں - مناظر (منظر کی جمع)

گیتا - ایک نسوانی کردار جو اپنے عاشق گھنشیام کی محبوبہ تھی۔

جیون - زندگی

مہتاب - چاند

آشائیں - امیدیں

فنا - ختم ہونا

امرت - آبِ حیات

رس - شربت

آپ نے پڑھا

- جمنا ندی کی حسین لہروں میں زندگی ہے، کچھ درد اور داستان ہے جو ندی اپنی لہروں کے ذریعہ کہنا چاہتی ہے اور لہریں اپنی زبان میں درد دل کو گاتی بھی ہیں۔ لہریں گاتے گاتے خوابوں کی حسین دنیا میں کھو جاتی ہیں۔
- ندی کی یہ لہریں آسمان کے ہنستے ہوئے روشن تاروں کی طرح نہ جانے اپنی حرکت اور عمل کے ذریعہ کیا کہنا چاہتی ہیں؟ لہروں کے اٹھنے گرنے اور اچھلنے میں کیا کیا راز ہے؟ یہ لہریں ہر روز دنیا کے مناظر کو دیکھتی ہیں اور نہ جانے کیا سنتی ہیں اور کیا پاتی ہیں۔
- شیشہ سے بھی نازک اور صاف و شفاف لہروں پر نہ جانے کتنے لوگوں کا عکس پڑتا ہے اور یہ لہریں مختلف پرچھائیوں کو اپنے نازک دامن میں سمیٹ کر نہ جانے کن کا غم غلط کرتی ہیں۔ بے جان عمارت تاج محل بھی اپنی خاموش زبان سے کچھ کہتا ہے جس زبان کو صرف محبوب بیگم ہی سن پاتی ہے اور مسکرا اٹھتی ہے۔ شاعر نے گیتا کے حسین خوابوں سے بہت دور اس کے عاشق گھنشیام کو در دِفراق میں بنسی بجانے کی تشبیہ پیش کی ہے گویا ندی کی لہروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔
- جمنا ندی اپنی لہروں میں نہ جانے کتنے درد، غم، تڑپ، کسک اور ہجر و وصال کی پرچھائیوں اور خوابوں کو دیکھ چکی ہے۔ ہزاروں ہزار کے غم، آنسو، نشاط، کرب اور طرب کو اپنی لہروں کے ذریعہ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئی ہے اور ابھی ہزاروں ہزار خوابوں کو اپنی لہروں کی گود میں سلائے گی۔ ندی ناامید نہیں ہے۔ ندی کو یقین ہے کہ ان خوابوں کی تعبیر سامنے آئیں گی۔ امید فنا ہو کر بھی محبوب کو امید اور وصل کا امرت رس نوش کراتی ہے۔

معروضی سوالات

1. سلام مچھلی شہری کس صنفِ شاعری کے شاعر ہیں؟

(الف) غزل (ب) مرثیہ (ج) نظم (د) گیت

2. جمنا ندی ہمارے ملک کے کس صوبہ سے زیادہ گزرتی ہے؟

(الف) اتر پردیش (ب) ہماچل پردیش (ج) اتراکھنڈ (د) بہار

3. تاج محل کس مغل بادشاہ نے تعمیر کرائی تھی؟

(الف) ہمایوں (ب) اکبر (ج) جہانگیر (د) شاہجہاں

4. ذیل کے شعر کا دوسرا مصرع پورا کریں۔

کیا جانے کیا کہہ جاتی ہیں .....

5. آکاش کا مترادف لفظ ذیل میں کون ہے؟

(الف) آفتاب (ب) خورشید (ج) افق (د) آسمان

مختصر سوالات

1. سلام مچھلی شہری کی زندگی پر پانچ جملے لکھئے۔
2. مغل بادشاہ شاہجہاں نے تاج محل کیوں تعمیر کی؟
3. گیت لکھنے والے چار مسلم شاعروں کے نام بتائیں۔
4. اس نظم میں شاعر نے کس کو بنسی بجاتے ہوئے پیش کیا ہے؟
5. آشائیں فنا ہو کر کیا بہاتی ہیں؟

طویل سوالات

1. سلام مچھلی شہری کی شاعری اور حالات زندگی پر ایک مضمون لکھئے۔
2. شاعر اپنی نظم 'جمنا کی لہریں اٹھتی ہیں' میں کیا کہنا چاہتا ہے؟ تفصیل سے لکھئے۔
3. مندرجہ ذیل لفظوں سے جملے بنائیے۔

لہریں، نظاروں، حسین، صورت، فنا، نازک، چاندنی، خواب، پرچھائیں، جیون

4. اردو میں گیت کے ارتقاء پر روشنی ڈالئے۔

آیئے، کچھ کریں

1. اپنے اسکول کے کتب خانے یا کسی مشہور کتب خانے سے پانچ اردو شاعروں کے دو دو گیت منتخب کر کے ایک کتابچہ تیار کریں۔
2. اپنے گھر کی عورتوں اور رشتہ دار عورتوں سے گیت سنانے کی فرمائش کریں اور ان کو لکھتے بھی جائیں۔
3. اپنے استاد اور رشتہ دار عورتوں سے گیت کے لہجہ، دھن اور لفظوں کی حسنِ ادائیگی کو سیکھیں اور اس کی مشق برابر کرتے رہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]